مشمولات

پیغام

انسان سکون کی تلاش میں

از: حضرت مولانا شاکر نوری (امیر سنی دعوت اسلامی)

مادی ترقی کے اس دور میں انسان سکون کا متلاشی ہے۔ کہاں جائے؟ کس چیز سے سکون حاصل کرے؟ نہ اسے ذہنی تسکین کا سامان نظر آتا ہے اور نہ قلبی طمانیت کا۔ سکون کے متلاشی اضطراب میں ہیں خاص طور پر مغربی دنیا کے انسان اس بیماری میں کچھ زیادہ ہی گرفتار ہیں کیوں کہ تنہائی، حصولِ زر کی حرص، نفس پرستی اور گناہوں کی کثرت نے ان کی روح کو پیاسا بنا دیا ہے۔ اب بڑی تیزی سے یہی بیماری ہمارے ملک میں بھی آ گئی ہے۔ غلط عادتوں کے شکار نوجوانوں کی بے راہ روی کی وجہ تلاش کی جائے تو اس کے پیچھے مذکورہ وجوہات کے ساتھ ساتھ Tension، مایوسی، ناکامی جیسے اسباب نظر آتے ہیں۔ ان پریشانیوں کا علاج اگر فلم بینی، آوارہ گردی، تمباکو نوشی یا شراب وشباب میں تلاش کیا جائے تو یہ بیماری میں اضافے کا سبب تو بن سکتا ہے اس سے علاج ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تاریخ کے اوراق پلٹیے اور ان صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کا جائزہ لیجیے جن کے لیے اپنے ہی گھر میں جینا مشکل تھا، جن پر آلام ومصائب کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، جن کا سرمایہ چھین لیا گیا تھا، جن کے بچوں کو تہ تیغ کیا گیا تھا اور جن کو ہجرت پر بھی مجبور کیا گیا تھا لیکن باوجود اس کے ان کے قدم **استقامت فی الدین** کے جلوے بکھیر رہے تھے اور وہ تختۂ دار پر بھی پر سکون نظر آ رہے تھے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ بس یہی کہ انہوں نے سامانِ تسکین گناہوں کو نہیں بلکہ اللہ عزوجل اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ومحبت کو بنایا تھا۔ نہ انہیں حرصِ مال وزر تھا اور نہ نفس کے وہ غلام تھے بلکہ وہ نیکیوں کی کثرت اور ذکر اللہ کے ذریعے سکون کی بے مایہ دولت حاصل کرتے تھے۔

آج کا مسلمان جو ذہنی وقلبی طور پر غیر حاضر نظر آتا ہے اور مایوسی کے گہرے دلدل میں پھنسا ہوا ہے اسے چاہیے کہ اپنی توجہ کا مرکز گنبدِ خضریٰ کو بنائے اور شریعت وسنت کی پاسداری کرے تو اسے تخت پر بھی سکون میسر ہوگا اور تختے پر بھی۔ کبھی آپ اس شخص کا بھی مشاہدہ فرمائیں جو تین گھنٹے تک فلم دیکھ کر گھر لوٹتا ہے تو کافی تھکا ہوا نظر آتا ہے لیکن کبھی ایسے شخص کو بھی دیکھیں جو نماز پڑھ کر مسجد سے آیا ہو تو یقیناً اس کے چہرے پر اطمینان ہوگا اور آپ اسے ہر طرح سے Tensionfree محسوس کریں گے۔ کیوں؟ وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے مضطرب قلب کی غذا ذکرِ الٰہی ہے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں نیکیوں کا جذبہ اور گناہوں سے نفرت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت سے پیدا ہوئی اور تابعین میں صحابہ کی صحبت سے۔ اسی طریقے سے ہر نیکوکار کی صحبت سے انسانوں کے دلوں میں جذبہ ایمان وعرفان جگمگاتا ہے اور نیک اعمال کی ترغیب ملتی ہے۔ یاد رکھیں کبھی کبھی ایک اچھی محفل پوری زندگی کے لیے سامانِ تسکین فراہم کرتی ہے بلکہ کبھی کبھی ایک جملہ بھی انسانی زندگی میں تبدیلی اور **رجوع الی اللہ والی الرسول** کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ تاریخ میں اس کے بے شمار مظاہر موجود ہیں۔ ۲۰ سال پہلے کے ممبئی کے نوجوانوں کا ماحول یاد کیجیے اور آج کے نوجوانوں کو دیکھیے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ جن کی زبان گانوں کے لذت سے آشنا تھی بحمدہ تعالیٰ آج ان میں نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شوقِ جنوں موجود ہے۔ یہ سب اچھی محبت اور ماحول کی برکتیں ہیں۔ کاش کہ ہمارا سرمایہ دار طبقہ اور ہمارے مسلمان بھائی اس کی افادیت کو سمجھتے اور علماے باعمل کی صحبت نیز سنی اجتماعات میں شریک ہوتے اور اس کی رغبت دلاتے تو آج مسلمانوں کی زندگی مزید مطمئن نظر آتی۔

بس اسی مقصد کے پیش نظر تقریباً بیس سال قبل سنی دعوت اسلامی کا آغاز کیا گیا۔ ہر سال اس کا عالمی اجتماع منعقد ہوتا ہے چنانچہ امسال ۲۱ رواں سالانہ سنی اجتماع ان شاء اللہ ۲۱/۲۲/۲۳ / اکتوبر کو وادئ نور ممبئی میں منعقد ہوگا۔ آپ اس روح پرور سنی اجتماع میں شریک ہوں اور اپنے قلوب کو مجلیٰ ومصفیٰ کریں یقیناً آپ خود پکار اٹھیں گے کہ کاش پوری زندگی ذکر الٰہی وذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے اور سننے میں گزر جائے اس لیے کہ قلب کی تسکین ذکر الٰہی میں ہے اور پھر جہاں لاکھوں غلامانِ رسول موجود ہوں ان میں کوئی تو اللہ کا مقبول بندہ ہوگا جس کی آمد وآمین ہمارے بختِ خفتہ کی بیداری کا سبب بن جائے گی۔ امید ہے کہ احیائے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عالم گیر تحریک سنی دعوت اسلامی کے سنی اجتماع میں آپ دوست، احباب ومتعلقین کے ہم راہ شرکت فرما کر طمانیتِ قلب کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔ ﴿..........﴾

اداریہ
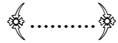
وادیٔ نور کی داستانِ شوق

توفیق احسن برکاتی کے قلم سے

یقینی طور پر فروغِ دین واشاعتِ مذہب کے بنیادی شعبے تصنیف، تدریس اور تقریر مانے جاتے ہیں جو علی الترتیب اپنی ضرورت وافادیت اور دوررس نتائج کی وجہ سے بڑے اہم اور قابلِ قدر ہیں۔ اربابِ تصنیف، والیانِ تدریس اور مقررین کے مخاطبین بھی الگ الگ ذہن وفکر، عقل ودانش رکھنے والے ہوتے ہیں اور حدیث رسول امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولھم (کنزالعمال: ص۲۴۲، جلد۲) کی روشنی میں اپنے سامع، ناظر یا مخاطب کے اذہان وافکار کے مطابق دینی گفتگو یا کوئی بھی بات پیش کرنی ضروری تسلیم کی جاتی ہے اور اس کے برخلاف اقدام کرنے والے اپنے کام کا خاطر خواہ نتیجہ یا فائدہ دیکھنے کو ترس جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات معاملہ بالکل برعکس اور نتیجہ الٹا سامنے آتا ہے۔

مشہور ماہر تعلیم محدث ومفتی جلالۃ العلم علامہ الشاہ حافظ ملت عبدالعزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کا قولِ زریں ہے ”تقریر سب سے آسان ہے، اس سے مشکل تدریس اور سب سے مشکل تصنیف“

عقل اور مشاہدہ بھی اس آسان اور مشکل ترتیب کو بہ خوبی مانتا ہے کہ تقریر کرنے والا اپنے محدود مطالعے اور مشاہدے کی بدولت خود کو کئی گھنٹے اپنے سامعین کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لیتا ہے اور مختلف علاقوں، شہروں میں اپنی ایک طرز کی گفتگو اور مواد پیش کر سکتا ہے جب کہ ایک مدرس مختلف موضوعات کی متعدد کتابیں مختلف اذہان وعقول کے حامل طلبا کے روبرو پڑھانے کی جسارت کرتا ہے اور اس کے لیے بھرپور مطالعے ومذاکرے کو ضروری گردانتا ہے لیکن ایک مصنف جن دشوار گزار راہوں کا راہی بن کر اپنے غیر معمولی مشاہدے ومطالعے کا عطر کشید کرتا ہے اور پھر صفحۂ قرطاس پر نتیجۂ تحقیق پیش کر دیتا ہے جو نہ صرف ایک محقق ومستند بات ہوتی ہے بلکہ ایک زمانے تک باقی رہنے والی اور تشنہ لبوں کو سیراب کرتی رہتی ہے اسی لیے کتابوں کو ہر عہد میں تحقیق کا شاہ کار اور مستند وموقر ذخیرۂ علم مانا گیا ہے جس کی افادیت آج کے اس انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ترقی یافتہ دور میں بھی کچھ کم نہ ہوئی اور نہ ان شاء اللہ اس میں کمی آئے گی۔

ان تمام مسلمہ حقائق کے باوجود ہم یہ لکھنے میں حق بہ جانب ہیں کہ تقریر بھی مشکل ہے اور تصنیف بھی آسان ہے۔ قارئینِ کرام یقیناً حیران ہوں گے کہ ابھی ہم نے اوپر کی سطروں میں اس بات کو دلیل سے ثابت کیا ہے کہ تقریر آسان ہوتی ہے اور تصنیف مشکل ہوتی ہے اور اب اس کے برعکس دعویٰ کر رہے ہیں۔ محترم قارئین! آپ کی حیرت بجا ہے اور ہمارا دعویٰ بھی۔ ایک کامیاب تقریر اور ایک موئثر زبان جو اپنے مواد، اندازِ پیش کش اور اثرات کے لحاظ سے کامیاب ہو جائے اور سامعین ومخاطبین کے ذہن وفکر کو اپیل کر جائے وہ سچ مچ مشکل ہے۔ اسی طرح ایک خام مواد والی غیر مرتب اور بے ضرورت موضوع اور مواد والی کتاب کی تصنیف انتہائی آسان ہے جس کا مظاہرہ آئے دن دیکھنے کو ملتا ہے اور بڑے دھڑلے سے غیر مفید کتابیں تصنیف کی جا رہی ہیں اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تصنیف بھی آسان ہے اور تقریر بھی مشکل ہے۔

اس طویل تمہید کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آج کی اس بزم میں ہم اپنے قارئین کو ایک ایسے تقریری سلسلے اور اندازِ پیش کش سے متعارف کرانے جا رہے ہیں جو ایک مفید، منفرد، دوررس اور تقدس مآب فضا قائم کر دینے والے ہیں اور یہ سلسلہ ربع صدی پیچھے سے جڑا ہوا ہے۔ ۵/ستمبر ۱۹۹۲ء کو ممبئی کے چند سرکردہ علما اور دردمند مسلمانانِ اہلِ سنت وجماعت نے ایک ایسی مذہبی ودینی تنظیم کی داغ بیل ڈالی جو نوجوان نسل کو دینی شعور اور فکری پختگی عطا کرے، ان کے عقائد واعمال کی درستی کے لیے کوشش کرے اور مسلمانوں میں علمی وعملی اعتبار سے جو پسماندگی در آئی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ الحمد للہ! سنی دعوت اسلامی نے جو اہداف متعین کیے تھے ان تک پہنچنے میں کافی حد تک کامیاب دکھائی دے رہی ہے۔ اس کے زیر اہتمام سنی اجتماعات کا ایک طویل سلسلہ جاری ہوا تھا۔ ابتدا میں ممبئی اور مضافاتِ ممبئی کی بہت ساری مساجد میں اس کے مراکز قائم ہوئے تھے لیکن پھر یہ سلسلہ دراز ہوا اور آج ایک درجن سے زائد ممالک میں اس کے مراکز قائم ہیں اور باقاعدگی کے ساتھ مختلف شعبوں میں اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔

یوں تو سنی دعوت اسلامی کے امیر محترم حضرت مولانا حافظ وقاری محمد شاکر علی نوری رضوی نے اس تحریک کے دائرۂ کار کو اس قدر وسعت دے دی ہے کہ اس کے تمام جہات پر سیر حاصل گفتگو یہاں نہیں کی جا سکتی تاہم تبلیغِ دین کے تین اہم شعبے تصنیف، تدریس اور تقریر بڑی برق رفتاری اور کامیابی کے ساتھ اپنی منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہیں۔

تصنیف وتحقیق کے لیے ادارۂ معارف اسلامی ممبئی، تدریس کے لیے دو درجن سے زائد مدارس دینیہ، نشر واشاعت کے لیے مکتبۂ طیبہ ممبئی اور تقریر وتربیت کے لے ملک وبیرونِ ملک منعقد کیے جانے والے سنی اجتماعات اس حقیقت کی نقاب کشائی کر رہے ہیں کہ یہ تنظیم ترقی وعروج کی راہ پر گامزن ہے اور ملک کے سب سے بڑے سالانہ سنی اجتماع کے لیے اس نے ممبئی عظمٰی کے ایک وسیع وعریض اور مشہور میدان آزاد میدان کا انتخاب کیا اور اسے جو نام دیا ''وادئ نور'' اس کی وجہ تسمیہ اس اجتماع میں شرکت کے بعد ہر کسی کو سمجھ میں آ جاتی ہے۔ قریب بیس سالوں سے لگاتار ہونے والے اس سالانہ اجتماع کی خصوصیات پر روشنی ڈالنا اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کے بغیر یہ داستانِ شوق ادھوری اور نامکمل رہ جائے گی۔

سب سے نمایاں خصوصیت اس اجتماع کی یہ ہے کہ تین شبانہ روز میں اس لق ودق میدان کی فضا نور نور بن جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سروں پر تقدس وپاکیزگی کی چادر تان دی گئی ہو اور مشتاقانِ دید ایک نئی زمین اور نئے آسمان سے ملاقات کر رہے ہیں۔ ایک دن کا پروگرام جہاں خواتین ماؤں اور بہنوں کی ذہنی وفکری تربیت وتزکیۂ قلب کے لیے مخصوص رکھا جاتا ہے وہیں دو روز کے تمام تر اوقات مردوں، جوانوں، بچوں اور بوڑھوں کے عقائد واعمال کی اصلاح اور قلب ونظر کی طہارت وپاکیزگی کے لیے خاص رہتے ہیں۔ گزشتہ پانچ سالوں سے راقم الحروف برابر اس وادئ نور میں اپنے شوقِ ایمانی کو آسودگی دینے کے لیے حاضری دیتا ہے اور اس کی نورانی وعرفانی فضا اور ایمانی وقرآنی ماحول سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ یہ بات میں بغیر کسی ذہنی وفکری دباؤ کے لکھ رہا ہوں۔

ایک اہم بات اس کے اندر یہ بھی ہے کہ مکمل تین روز تک سامعین وحاضرین جہاں دیدہ مفکرین اور دور اندیش اربابِ دانش کے مشاہدات ومذاکرات سماعت کرتے ہیں اور گفت وشنید اور استفسارات کے ذریعے اپنے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل بھی دریافت کر لیتے ہیں جس میں دو نام بڑے اہم اور بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں ایک مفکرالاسلام تلمیذ حافظ ملت مرید مفتی اعظم ہند علامہ قمر الزماں اعظمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ اور دوسرے محققِ مسائلِ جدید مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ۔ ان کے علاوہ ہند وبیرونِ ہند سے تشریف لانے والے وہ اکابر مشائخ طریقت وعلمائے ذوی الاحترام جن کی زیارت سے بہت کم آنکھیں شادکام ہوتی ہیں اس اجتماع کی زینت بنتے ہیں اور یہ حضرات اپنے ناصحانہ ومفکرانہ خطاب سے تشنہ لبوں کو آسودگی فراہم کرتے ہیں۔ ساتھ ہی امیر سنی دعوتِ اسلامی کا مخصوص موضوع پر خطاب اور الحاج قاری رضوان احمد خان کی مترنم آواز اور ان کی منفرد نظامت اس اجتماع کو ایک شناخت بخش دیتی ہے۔ اس مقام پر ہر نماز کے بعد تلاوتِ قرآن مع ترجمہ کنز الایمان اردو وانگریزی بار بار یاد آتا ہے جس وقت کی عطر بیز فضا بڑی نور افشاں مانی جاتی ہے اور ماحول عرفان زار ہو جاتا ہے۔ محبّ گرامی حافظ وقاری محمد ریاض الدین اشرفی مع احباب اس اہم ذمے داری کو بہ حسن وخوبی نبھاتے ہیں اور سامعین کا اشکِ شوق چھلکا دیتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ تحریک کے مبلغین اور نجمی فاضلین کی ایک جماعت نظم ونسق اور تربیتِ اخلاق پر منفرداً واجتماعاً مامور رہتی ہے۔ یہ منظر بھی قابل دید ہوتا ہے۔ نماز کے اوقات میں نماز باجماعت کا انتظام اذان واقامت کے ساتھ اور اختتام پر رقت انگیز خصوصی دعا جو اس اجتماع کی جان ہوا کرتی ہے، بڑی اہم تسلیم کی جاتی ہے اور اس وقت حاضرین کی تعداد اخبارات کے رپورٹوں کی وضاحت کے مطابق کئی لاکھ تک پہنچ جاتی ہے اور یہ وقت اس سالانہ اجتماع کی کامیابی کی ضمانت بن جاتا ہے۔

اس مقام پر ہمیں ایک بات یاد آ گئی وہ بھی پڑھتے چلیں۔ گزشتہ دنوں حیدرآباد سے ہمارے پاس ایک کتاب ''درگاہیں شرک کے اڈے اور سرچشمے ہیں'' آئی اس میں مصنف نے وہابی نظریات کو حق ثابت کیا ہے اور اہلِ سنت وجماعت کے مسلمہ عقائد وحقائق کی تردید کی ہے اور شنیدہ ونادیدہ مشاہدات اور جاہل عوام کے معمولات کو بنیاد بنا کر سنیوں پر طنز کی بوچھار کی ہے۔ مصنف کا نام محمد اشفاق حسین درج ہے اور یہ کتاب مکتبۃ الفانوس حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مصنف نے تحریک سنی دعوت اسلامی کے اس سالانہ اجتماع کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور یہ لکھ مارا ہے کہ ڈاکٹر ذاکر نائک کے دس روزہ پروگرام میں پچیس لاکھ کا مجمع اکٹھا ہوتا ہے اس کے بالمقابل بریلویوں کی جانب سے ممبئی میں منعقد ہونے

والے سالانہ اجتماع میں اتنی کم تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں کہ رپورٹنگ کرنے والے کو بھی شرم آتی ہوگی۔ (واضح رہے کہ ڈاکٹر ذاکر نائک کی دس روزہ نمائش ابھی دو چند سالوں سے شروع ہوئی ہے اور سنی دعوت اسلامی کا سالانہ اجتماع انہیں تاریخوں میں بیس سالوں سے متواتر منعقد ہو رہا ہے)۔ ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اگر انہوں نے خود کبھی اس اجتماع میں شرکت نہ کی ہو تو اپنا کوئی نمائندہ اس سال ۲۱، ۲۲، ۲۳، اکتوبر ۲۰۱۱ء، بروز جمعہ، سنیچر، اتوار کو منعقد ہونے والے اجتماع میں شرکت کے لیے بھیج دیں یا ممبئی کے اردو، ہندی، مراٹھی اور انگریزی و گجراتی اخبارات وجرائد منگا کر دیکھ لیں یا آن لائن پڑھ لیں اور آئندہ ایسا سفید جھوٹ لکھنے اور چھاپنے سے توبہ کر لیں اور پچیس لاکھ تعداد کے حقائق اور اس نمائش پروگرام کی سچائی بھی حیدرآباد سے ممبئی آکر خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لیں اور پھر نتائجِ تحقیق و مشاہدہ چھاپیں۔

راقم نے ابتدا میں لکھا ہے کہ تصنیف بھی آسان ہے۔ متذکرہ بالا کتاب پڑھنے کے بعد آپ بھی ہمارا دعویٰ قبول کر لیں گے کہ بے سروپا باتوں اور شنیدہ تاثرات پر مشتمل یہ کتاب اسی زمرے میں آتی ہے۔ انہیں مصنف کی ایک دوسری کتاب کا نام ''گمراہ فرقہ کون، وہابی یا بریلوی؟'' ہے ہم نے وہ کتاب تو نہیں پڑھی البتہ سہ ماہی اردو بک ریویو دہلی شمارہ اپریل مئی جون ۲۰۱۱ء میں اس کتاب پر ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی کا تحریر کردہ انتہائی جانب دارانہ اور غیر دانش ورانہ تبصرہ ضرور پڑھا ہے جس میں مبصر نے اس بات پر کافی زور صرف کیا ہے کہ قادیانی اور منکرینِ حدیث کی طرح شرک زدہ بریلوی فرقہ عشقِ رسول کی آڑ میں شرک اور قبر پرستی پھیلا رہا ہے اور گمراہ ہے۔ اسی تبصرے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''کہیں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کسی صحابی نے کبھی بھی محفل میلاد منعقد کی ہو، یہ فعل تمام تر غیر اسلامی اثرات کا نتیجہ ہے''۔ ہماری ڈاکٹر موصوف سے عرض ہے کہ گزشتہ دنوں آپ کی کتاب ''ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی کے تبصرے'' کی رسمِ اجرا کی مناسبت سے منعقد ہونے والی تقریب اسلامی اثرات کا نتیجہ تھی اور کیا صحابہ نے ایسی محفلیں سجائی تھیں؟ اخیر میں کتاب کی سراہنا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''بلاشبہ شرک و بدعت پر مبنی بریلوی شریعت کے لیے یہ رسالہ بڑا ہی فکر انگیز اور ایمان افروز ہے''۔

قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ مصنفِ کتاب اور مبصر کا ذہنی رجحان کس قسم کا ہے؟ اور ان کے دماغ میں کیا پک رہا ہے۔ شاید کہ ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی نے وہابیت کی پوری تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا ہے اور بریلویت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے ورنہ وہ جان لیتے کہ وہابیت کا پس منظر کیا ہے؟ اور کس طرح ان باطل نظریات کا پودا ہندوستان کی مٹی میں لگایا گیا اور سب سے پہلے کس ذات نے وہابیت کے خلاف ''تحقیق الفتوی فی ابطال الطغویٰ'' کے ذریعے محاذ قائم کیا جنہیں آپ کے سرسید احمد خان نے بھی کن کن گراں قدر القابات و آداب سے یاد کیا ہے۔ اسے دنیا قائد انقلاب علامہ فضل حق خیر آبادی کے نام سے جانتی ہے۔ (خیر اس پر آئندہ کبھی گفتگو ہوگی)

ہم نے وادیٔ نور کی جس داستانِ شوق کا تذکرہ چھیڑا ہے وہ یقیناً داستانِ شوق ہے اور ہماری یہ تحریر ایک مشاہداتی تحریر ہے صرف شنیدہ و نادیدہ نہیں ہے اس لیے اخیر میں اپنے قارئین کی بارگاہ میں انتہائی پرخلوص ہو کر اس اکیسویں سالانہ سنی اجتماع میں شرکت کی دعوت پیش کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ عزوجل وادیٔ نور کا سفر آپ سب کے لیے ایک داستانِ شوق ثابت ہوگا۔

''فتاویٰ رضویہ'' کے عربی ایڈیشن کی عرب دنیا سے اشاعت

یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا تصنیف کردہ فقہ حنفی کا عظیم الشان انسائیکلو پیڈیا ''فتاویٰ رضویہ'' کی مکمل جلدیں بیروت لبنان کے سب سے بڑے مکتبہ ''دارالکتب العلمیۃ'' سے شائع ہوگئی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ مکتبہ عرب دنیا کا سب سے بڑا اشاعتی ادارہ ہے۔ اس ادارے کے تحت کتابیں پوری اسلامی دنیا میں مہیا کروائی جاتی ہیں۔ اب وہ دن دور نہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی دیگر سیکڑوں کتب و رسائل کی بھی عرب دنیا سے اشاعت ہوگی اور عرب دنیا بھی امام احمد رضا کے علمی فضل و کمال اور ان کی غیر معمولی عبقریت سے متعارف ہو سکے گی۔ فی الحال فتاویٰ رضویہ (عربی) کا یہ ایڈیشن برصغیر کے دو مکتبوں (مکتبہ الحمد کراچی، مکتبہ الحقانیہ پشاور) پر دستیاب ہے۔ جلد ہی دوسرے مکتبوں پر بھی دستیاب ہوگا۔ (ادارہ)

ایمان کی خشتِ اول

کلمۂ طیبہ کے تقاضے

کیا صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ لینے سے خدا کی بندگی کا حق ادا ہو جاتا ہے؟؟

از: حامد کمال الدین

مالک کے پاس اپنے بندے کو دینے کے کیا ہے، یہ حساب کرنا بندے کا بس نہیں۔ البتہ اُس کی کائنات کو دیکھ کر بندہ اِس کا کچھ اندازہ ضرور کر سکتا ہے۔ یہ وہ کائنات ہے جس کو وہ کہتا ہے کہ یہ محض ایک عارضی بندوبست ہے وہ اصل جہان جس میں اُس کی عنایات ظاہر ہوں گی، ابھی آنے والا ہے۔ اُس کی دین دیکھنی ہو تو وہاں دیکھیں۔ مالک بندے کو کیا کچھ دیتا ہے اور کیا کچھ دے سکتا ہے، حساب سے باہر ہے لیکن سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ بہت کچھ وہ اِس کو دیتا ہے اور بہت کچھ کی یہ اُس سے آس رکھتا ہے۔ وہ رب ہے یعنی پروردگار جو پالتا اور سنبھالتا ہے کھلاتا اور پلاتا ہے نعمتیں اور نوازشیں کرتا ہے۔ دنیا کا جاہل سے جاہل شخص بھی اگر سیدھی صاف بات کرنے پہ آئے تو لازماً یہ بتائے گا کہ سب کچھ دینے والی ہستی کون ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا کافر اور بڑے سے بڑا مشرک بھی آج تک یہ انکشاف نہیں کر سکا ہے کہ سب کچھ کرنے اور دینے والی خدا کے سوا فلاں اور فلاں ہستی ہے۔ خرمستی میں ضرور یہ ایسا کوئی کفر بک دیتے ہوں گے مگر سوچ سمجھ کر بولنا پڑے تو کبھی ایسی حماقت نہ کریں گے۔ بھلا کون ہے جس کے بارے میں دعویٰ کیا جا سکتا ہو یا کبھی کیا گیا ہو کہ وہ زمین اور آسمان کا خالق ہے، کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے، پورے جہان کو تھام کر کھڑا ہے اور ہر ذی نفس کو کھلاتا اور پلاتا اور مارتا اور جلاتا ہے؟ اور اگر کوئی خالقِ حقیقی کے سوا کسی ہستی کی بابت ایسا دعویٰ کر دے تو ہم جانتے ہیں دنیا سب سے پہلے اس کے ہوش وحواس کی بابت شک کرے گی۔

انبیائے کرام نے یہاں پر رک جانا ضروری نہ جانا کہ وہ لوگوں کو بس یہی بتائیں کہ سب کچھ کرنے اور سب کچھ دینے والی ذات کون ہے۔ اِس سے آگے گزر کر انبیائے کرام نے جس بات کو موضوع بنایا اور جس پر قوموں کے ساتھ اُن کا اختلاف ہوا وہ یہ کہ وہ ذات جو سب کچھ کرنے اور سب کچھ دینے والی ہے اُس کے ساتھ انسان کا رویہ اور تعامل کیا ہو۔ پس لا الٰہ الا اللہ کا موضوع خدا کے افعال نہیں جو خدا بندے کے لیے کرتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا موضوع درحقیقت بندے کے افعال اور رویے ہیں جو بندہ خدا کے لیے بجالاتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کی بابت سب سے پہلی بات سمجھنے کی یہی ہے۔

مالک بندے کو کیا کچھ نہیں دیتا۔ اُس کی دین اور اُس کی نوازش حساب سے باہر ہے۔ اُس کا قادر ہونا اور بندوں پر اُس کا مہربان ہونا طے شدہ حقیقت ہے۔ اُس کے کرم اور عنایت پر ہر کسی کا ایمان ہے۔ وہ انسان کو دینے کے لیے سب کچھ پاس رکھتا ہے اور مسلسل دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان اُس کو کیا دے؟ انسان کے پاس ہے کیا جو یہ خدا کو پیش کرے؟ لا الٰہ الا اللہ دراصل اِسی سوال کا جواب ہے۔ مالک تو بندے کو جو دیتا ہے سو دیتا ہے اور مالک کی دین پر تو کسی کو کوئی کلام نہیں البتہ بندہ مالک کو دے تو کیا دے؟ اِس پر البتہ دنیا میں بے شمار مذاہب ہوئے ہیں۔ انبیا کا اختلاف قوموں کے ساتھ دراصل یہاں سے شروع ہوتا ہے یعنی مالک تو بندے کو دیتا ہی ہے اور دے بھی وہی سکتا ہے مگر بندہ مالک کو کیا دے؟ رزق اور روزی؟؟؟ یہ تو نہ اُسے چاہیے اور نہ یہ بندے کے دینے کی ہے۔ یہ تو وہ چیز ہے جو خود بندہ اُس سے پاتا اور اُس سے مانگ کر کھاتا ہے لیکن کیا بس ایسی ہی بات ہے کہ مالک دیتا جائے اور یہ کھاتا جائے؟ نہ اِس کے سوا کچھ قصہ اور نہ کہانی؟ یا پھر معاملہ کچھ اور ہے اور اِس بامعنی جہان کی تخلیق اِس سے ذرا مختلف نقشے پر ہوئی ہے؟ بندے سے مالک کا تقاضا ایک نہایت خاص تقاضا ہے۔ وہ بندے سے وہ چیز مانگتا ہے جو بندے کے دینے کی ہے اور مالک کے لائقِ مقام۔

اِس چیز کا نام بندگی ہے جو کہ واحد چیز ہے جو بندے کے دینے کی ہے اور مالک کے لینے کی۔ اِسی کو عبادت کہتے ہیں اِسی کا نام پرستش ہے۔ ہاں یہ اُس کی طلب ہے اور نہایت برحق۔ انسان کے یہاں اِس سے خوبصورت چیز کبھی نہیں پائی گئی۔ اندازہ تو کرو وہ واحد چیز جو بندہ خدائے غنی و بے نیاز کو پیش کر سکتا ہے یہ چیز تو وہ نہ بھی طلب کرتا تو یہ اُسی کو دینے کی تھی مگر یہ تو ایسی کمال کی چیز ہے کہ انبیا کو بھیج کر وہ باقاعدہ اِس

کا تقاضا کرتا رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ واشگاف طور پر متنبہ کرتا رہا ہے کہ اُس کی یہ چیز ہرگز کسی اور کو پیش نہ کی جائے۔ وہ کوئی ایک آدھ تنبیہ کر دیتا تو بھی ڈر جانے کی بات تھی مگر اُس نے اپنی کتاب میں شاید ہی کوئی صفحہ چھوڑا ہو جہاں یہ تنبیہ درج نہ کر رکھی ہو کہ اِس بندگی میں ذرہ بھر اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ یہاں تک کہہ دیا کہ وہ کچھ بھی معاف کرسکتا ہے مگر یہ ایک بات وہ کبھی معاف کرنے والا نہیں۔ اُس کی یہ چیز اُس کو پیش کرنے میں کچھ کمی کوتاہی رہ جائے تو شاید وہ درگزر کر دے لیکن اُس کی یہ چیز جو کہ اُسی کے لائق مقام ہے اگر کسی اور کی نذر کر دی گئی تو خواہ آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائیں وہ ایسا ظلم کرنے والے کو دوزخ سے نکالنے والا نہیں۔

اُس نے آخرت کا جہان تو واقعتاً اِسی لیے بنایا ہے کہ اُس کے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُس کی مجاورت میں بسیں اور اُس کی قربت اور اُس کی دائمی عنایت کا لطف اٹھائیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے جہان میں تو اُس کے بندے مزے اور ٹھاٹھ سے ہی رہیں گے۔ البتہ اِس دائمی قربت اور عنایت کا استحقاق پانے کی صورت یہ ٹھہری کہ کچھ دیر یہ اُس کو اپنی طلب بتائیں اور اپنی اُس طلب کے اندر جانچے جائیں کہ آیا یہ اپنی مانگ بتانے میں سچے تھے یا جھوٹے؟ ان کو اپنی طلب بتانے کا یہ موقع دینے کے لیے اُس نے یہاں ایک عارضی جہان بسایا اور اِس کے اندر یہ شرط ٹھہرا دی کہ پوجا، نیاز، نماز، محبت، گرویدگی، احسان مندی، دعا، فریاد، لجاجت، آہ وزاری، خشیت، خوف، خضوع، خشوع، تعظیم، کبریائی، حمد، تسبیح، تکبیر، تقدیس، نذر، چڑھاوا، قربانی، ذبیحہ، طواف، زیارت، قیام، رکوع، سجود، کورنش، تحیات، ذکر، توکل، امید، انابت، تسلیم، رضا، وابستگی، وفا شعاری، خود سپردگی، فرماں برداری، اطاعت، ذلت، انکساری، عاجزی، مملوکی اور اس سے ملتے جلتے بے شمار رویے اور افعال جو انسان کی سرشت میں بے حد و حساب ڈال رکھے گئے ہیں، انسان کے اندر پائے جانے والے عبادت اور پرستش کے یہ سب افعال اور رویے اپنے مالک کا پتہ کریں اور اپنا آپ اُس کی عظمت پر نچھاور کیا کریں۔

لا الٰہ الا اللہ کیا کہتا ہے؟

وہ چیز جو خدا کے بے حد و بے حساب احسانات اور انعامات کے بدلے میں بندے کو مالک کے حضور پیش کرنی ہے کلمہ اُس کا تعین کرتا ہے۔ کلمہ کہتا ہے کہ اِس چیز کا نام بندگی ہے۔ پھر کلمہ یہ واضح کرتا ہے کہ یہ بندگی خدا کو کس ادب اور سلیقے سے پیش کی گئی ہو تو اُس کے یہاں قبولیت پاتی ہے۔ اِس ادب اور سلیقے کا نام توحید ہے پھر اتنا ہی نہیں یہ کلمہ وہ ترتیب بھی بتاتا ہے جو اِس امر میں ملحوظ رکھی جانی ہے یعنی پہلے توحید اور پھر خدا کی بندگی۔ پس لا الٰہ الا اللہ جس بندگی کو انسان کے لیے دستور ٹھہراتا ہے وہ ایک خاص بندگی ہے۔ یہ محض خدا کی عبادت کر لینا نہیں بلکہ یہ وہ بندگی ہے جس میں کوئی اور خدا کے ساتھ شریک ہی نہ رہنے دیا گیا ہو۔ اِس بندگی سے بڑھ کر کوئی جذبہ اور کوئی جوہر انسان کے پاس نہیں۔ کلمے کا کہنا ہے کہ یہ چیز خدا کو پیش کر دینا انسان کا سب سے بڑا فرض ہے اور اسے خدا کے سوا کسی ذات کو پیش کر دینا سب سے بڑا جرم۔ سو یہ کلمہ انسان کا سب سے بڑا فرض بھی بتاتا ہے اور سب سے بڑا جرم بھی۔

خدا کی یہ چیز اور یہ امانت یعنی بندگی جو ہر زندہ شخص اپنے وجود میں اٹھائے پھرتا ہے۔ خدا کی یہ چیز خدا کو پیش کی جائے تو اِس پر وہ جس قدر خوش ہوتا ہے بلکہ قدر دان ہوتا ہے کہ بندے نے مالک کا صحیح حق پہچانا اِس سے کہیں زیادہ وہ اِس بات پر غضب ناک ہوتا ہے کہ اُس کی یہ چیز کسی اور کو پیش کر دی جائے۔ اِس عاجز مخلوق کی اِتنی بڑی جسارت کہ یہ اپنی مرضی سے اُس قوی و برتر ذات کا کسی کو شریک اور ہم مرتبہ کر دے۔ خدا کی نظروں کے عین سامنے یہ اُس کے سوا کسی اور کی پرستش کرے اور اسی کو اپنا معبود خیال کرے۔ یہ بات وہ کبھی برداشت کرنے والا نہیں۔

اب ہمارے پاس ایک نہیں دو باتیں ہوگئیں۔ یہ بندگی، یہ پرستش اور یہ عبادت صرف اُسی کی چیز ہے جو اُس نے اِس مخلوقِ عاقل کی سرشت میں ڈال رکھی ہے اور پھر اس کو اپنا پتہ بھی دے رکھا ہے لہٰذا یہ بندگی اور پرستش تو لازماً اُسی ذات کو پیش کی جانا ہے جس کو یہ سزاوار ہے۔ مرنے سے پہلے پہلے لازماً یہ امانت اِس کے حق دار کو پہنچانا ہے اور اس کے بغیر مر جانا حسرت ہی حسرت ہے اور بربادی ہی بربادی۔ فرائض میں اِس سے اوپر کوئی فرض نہیں۔ البتہ دوسری بات جو کہ اِس سے بھی بڑھ کر اہم ہے وہ یہ کہ بندگی، پرستش اور عبادت جیسی نایاب ترین سوغات اُس ذاتِ کبریائی کے سوا کسی اور کی نذر نہ کر دی جائے۔ جرائم میں اِس سے اوپر کوئی جرم نہیں۔

اُس کے کلام کے ایجاز اور بلاغت پر قربان جائیں یہ اتنی بڑی بڑی باتیں اُس نے چار لفظوں کے ایک کلمے میں سمو دیں: **لا الٰہ الا**

الــلــہ پھر اس کی ترتیب بھی ایسی لگائی کہ اس کے مباحث کی سب ترجیحات آپ سے آپ واضح ہو جائیں۔ چنانچہ اپنی اس تنبیہ کو اُس نے بالکل آغاز میں رکھا اور بات ہی لا سے شروع کی تا کہ اُس کے بندے شرک سے تائب پہلے ہوں اور اُس کی عبادت کے زینے پر قدم بعد میں رکھیں۔ عبادتِ طاغوت کے گڑھے سے پہلے نکل آئیں اور پرستشِ خداوندی کی منزلیں اس کے بعد چڑھیں۔ گندگی سے نکل آئیں تو بندگی کے پہناوے پہنیں۔ خدا کے غضب سے بھاگ لیں تو اُس کے فضل کے خواستگار ہوں۔ بربادی سے چھٹکارا پالیں تو نعمتوں اور آسائشوں کو پانے میں زور لگا دیں اور خوش بختی کی راہ میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں اور اِس میں جتنا آگے جاسکتے ہوں جائیں۔

اِس کلمے میں انسان کا فقر بھی ہے یعنی آدمی اپنی حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ تو ہے ہی بندہ۔ بندگی کرنا اس کی سرشت ہے غلامی اِس کی اصل ہے محتاجی اِس کے روئیں روئیں میں ہے۔ یہ ہے ہی عبد، عاجز اور ضرورت مند۔ مانگنا اِس کی صفت ہے ہاتھ پھیلانا اِس کا خاصہ ہے۔ یہ فقر درحقیقت بندگی کی جان ہے بلکہ فقر ہی بندگی ہے۔ انسان محتاج نہ ہو تو کیوں وہ مالک کی بندگی کا دم بھرے؟ بے نیاز ہو تو کیوں وہ معبود کا سہارا چاہے؟ تو یہ فقر ہی ہے جو بندگی کی صورت میں اپنا ظہور کرتا ہے۔ اِس کا یہ اعتراف کرنا کہ خدا ہی اس کا الٰــہ ہے آپ سے آپ اقرار ہے کہ یہ اُس کا عبد اور مملوک ہے۔ پرستش درحقیقت ایسے ہی ایک جذبے اور ایسے ہی ایک تعلق کا نام ہے یعنی اپنے فقر کا مداوا خدا کی دین سے کرنا۔ جتنا پھوٹ پھوٹ کر مالک کے آگے اِس کا فقر ظاہر ہوگا اتنی ہی مالک کے ماسوا ہستیوں سے اِس کی بے نیازی ہوتی چلی جائے گی۔ جس قدر مالک کے آگے اِس کی کمر دہری ہوگی اتنا ہی غیر ہستیوں کے آگے آپ سے آپ اِس کا سر اونچا ہوگا۔ یوں اِس کو وہ دولت ملتی چلی جائے گی جو دنیا کے کسی امیر سے امیر شخص کے پاس بھی کبھی نہ پائی گئی ہوگی اور جو کہ صرف آخرت کے رؤسا کے یہاں ملا کرتی ہے۔ اِس کو زور لگانا ہے تو اپنے اِسی فقر کو خدا کے آگے ظاہر کرنے پر جس کے لیے اُس نے اِسے عبادت کے ان گنت آداب اور بندگی کے بے شمار پیرائے سکھا رکھے ہیں۔ یوں جتنا خدا اِس کی ضرورت بنے گا اتنا ہی اِس کو استغنا ملتا چلا جائے گا اور جو کہ اصل دولت ہے اور جس سے یہ بہشت میں جو چاہے خرید لے گویا جتنا اِس کا فقر اُتنی اِس کی تونگری۔

یہ کلمہ انسان کے فقر اور ضرورت کا بیان ہے تو اِس بات کا اعلان بھی کہ اِس کا یہ فقر اور فاقہ کہیں پورا ہونے کا نہیں سوائے رب العالمین کی بندگی اختیار کر لینے میں۔ نیز جہاں یہ کلمہ اپنی حیثیت پہچان لینا ہے کہ خدا کے سامنے میری اوقات کیا ہے اور میرے اِس فقر و فاقہ کی حقیقت کیا ہے، وہاں یہ کلمہ جملہ مخلوقات کی حیثیت کو جان لینا ہے کہ وہ نرے عاجز ہیں اور سراسر ناقابلِ التفات۔ کلمہ پڑھتے وقت انسان باقاعدہ طور پر یہ کہتا ہے کہ اِس کا یہ فقر کہ یہ اسی ذات کی پرستش کرے، اُسی کو ٹوٹ کر چاہے اور اُسی کی ہیبت دل پہ محسوس کرے، اُسی کے آگے ذلت کا اظہار کرے اور اُسی کی اطاعت کا دم بھرے، اُسی سے مانگے اور اُسی کے سہارے جیے۔ اِس کا یہ فقر کہیں سے پورا ہونے کا نہیں مگر ایک خدائے رب العالمین سے۔

انسان پر اپنا فقر اور بندگی واضح ہو جائے کہ یہ تو بڑی اساسی ترین صفت ہے تو یہ کلمہ مالک کے در کو پہچاننے کا نہایت خوبصورت پیرایہ بنتا ہے۔ نہیں کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ۔ یہ لفظ کہنے والا عین اپنے معبود تک جا پہنچنے کا اعلان کرتا ہے۔ راہ میں نہ تو کسی کا کروفر اِس کو مرعوب کر سکا اور نہ کسی کی بڑائی اِس کی نگاہ میں جچی۔ نہ کسی کی قوت اِس کی راہ میں حائل ہو پائی۔ نہ کسی کی سطوت نے اِس کو اپنا اسیر کیا۔ نہ کوئی روشن سے روشن چیز اِس کی نگاہ کو خیرہ کر سکی اور نہ کوئی حسین سے حسین صورت اِس کا دل لے سکی۔ نہ کسی کا لطف و احسان اِس کے دل پر قبضہ جما سکا اور نہ کسی کی خوبی اِس کو اپنا بندہ بنا سکی۔ کہیں بھی تو اِس کا دل نہیں بٹا اور یہ پورے کا پورا اپنے اصل معبود پر فدا ہونے کے لیے باقی رہا۔ یہ سالم کا سالم اپنے معبود کی عظمت پر نچھاور ہونے کے لیے پس انداز رہا۔ اِذ جاء ربه بقلبٍ سليم ایک صاف، خالص، مکمل اور غیر منقسم دل یہ اپنے مالک کو پیش کر دینے کے لیے پاس رکھتا تھا اور پھر ایسے دل کے ساتھ یہ مالک کی چوکھٹ پر آ جھکا۔ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ یہی وجہ ہے کہ لا إلٰه إلا الله کو کلمۃ الإخلاص کہا گیا ہے۔ اِخلاص یعنی بندگی اور پرستش ایسی نفیس چیز کو کسی کے لیے نہ رہنے دینا سوائے اللہ کے۔ اِس کو منقسم تک نہ ہونے دینا اِس کو سالم ثابت رکھنا اِس پر خالصتاً اللہ کا حق ماننا اور اللہ کے لیے اِس کو پورے کا پورا پیش کر دینا۔ اِس کو عین اُس ساخت پر باقی رکھنا جس پر اول سے اِس کی آفرینش ہوئی یعنی فطرت کیونکہ انسان کے پاس یہ ایک ہی قیمتی چیز ہے جو مالک کو پیش کر دینے کی ہے۔ یہ اُس کو من وعن پیش کی جانی

ہے اور اِس پوری کی پوری چیز پر مالک کا حق ہے۔
پس جہاں یہ کلمہ مالک کا در پہچاننا ہے وہاں یہ اُس کے سوا ہر در کو پہچاننے سے انکاری ہو جانا ہے۔ جہاں یہ رب العالمین کی خدائی تسلیم کرنا ہے وہاں یہ رب العالمین کے ماسوا ہستیوں کی خدائی کو مسترد کرنا ہے بلکہ باطل ہستیوں کی خدائی کا انکار پہلے ہے اور حق تعالیٰ کی خدائی کا اقرار اُس کے بعد۔ کلمے کے الفاظ کی اپنی ہی ترتیب صاف صاف ہمیں یہ بتلاتی ہے۔ پس اِس کلمے کی رو سے آدمی کو غیر اللہ کی عبادت کا بطلان پہلے کرنا ہے۔ اللہ کی عبادت پر عمل پیرا ہونے کا مسئلہ اس کے بعد ہی آتا ہے چنانچہ اسلام کا سب سے پہلا عمل یہ ٹھہرا کہ آدمی اِس کلمے کی صورت میں اپنی زندگی کا ایک رخ متعین کرے۔ نماز و روزہ، حج و زکات، ذکر و اذکار اور صدقہ وخیرات وغیرہ ایسے دین کے جملہ اعمال سے پہلے یہ خدا کے ساتھ باقاعدہ ایک رشتہ اور ایک عہد استوار کرے۔ وہ رشتہ اور وہ عہد جس کو بندگی اور یکسوئی کہا جاتا ہے اور جس کی رو سے خدا کے ماسوا پوجی جانے والی ہستیوں سے اس کو براءت اور بیزاری کرنا ہوتی ہے اور اُس کے سب شریکوں کا صاف صاف کفر کر دینا اپنے پورے وجود کو اُس کے آگے جھکا دینا اور اپنا آپ اُس کی غلامی میں دے دینا نیز خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی کی اِس راہ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا راہبر اور مقتدا تسلیم کر لینا۔ اپنی زندگی اور سرگرمی کی سمت کا یہ واضح اور صریح تعین کر لینا دین کا وہ پہلا عمل ہے جس سے پہلے کوئی عمل نہیں۔ یہ کارروائی جو اسلام کا رکنِ اول کہلاتی ہے پورے دین کی جان اور اساس ہے۔ کلمہ پڑھنا در حقیقت یہی ہے۔
کلمہ گو ہونے کا مطلب بھی درحقیقت یہی ہے یعنی ایسا کلمہ گو ہونا جس کا خدا کے یہاں اعتبار ہے۔ انبیا کا اپنی قوموں کو کلمہ پڑھوانا فی الواقع یہی معنی اور مراد رکھتا تھا۔ محض الفاظ کہلوا دینا انبیا کا مطمحِ نظر بہر حال نہیں تھا۔ اِس کلمے کو ایسی ہی کوئی ہلکی پھلکی چیز سمجھ لینا جو بس زبان سے کہہ ڈالی جائے اور اس کے سوا اِس کے معتبر ہونے کی کسی شرط سے آدمی واقف تک نہ ہو۔ یہ خدا کی کتابوں اور خدا کے رسولوں کے اُس واضح مطالبہ سے جو وہ انسان کے سامنے رکھتے رہے، آخری حد تک بے خبر ہونے کی دلیل ہے۔ محض ایک کلمے پر جنت اور دوزخ جیسے دائمی جہانوں کا دار و مدار ہونا اور اِسی کی بنیاد پر ترازوؤں کا نصب ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ اِس کے لیے سنجیدگی کی وہ کم از کم سطح مطلوب ہے جو اِس کلمے کو محض الفاظ تک محدود جاننے سے مانع ہو۔ کلمہ ایک میثاق اور ایک عہد نامہ ہے ایک میثاق اور ایک عہد نامہ کسی حدود اور قیود کے بغیر بھلا کب پایا گیا ہے؟

لا اِلٰہ اِلا اللہ کہو کامیاب رہو گے

نہیں کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ۔ اسی کو اپنا دستور ماننا اور اِسی کو دنیا کی سب قوموں، سب ملتوں، سب جماعتوں، سب نظاموں اور سب دستوروں کے روبرو اپنا مایۂ امتیاز بنا رکھنا یعنی اِس کی بنیاد پر دنیا کی ان سب قوموں، سب ملتوں، سب شریعتوں، سب نظاموں اور سب دستوروں کے ساتھ اپنا ایک بنیادی ترین اختلاف سامنے لانا اور اِس اختلاف پر آخری درجے کا اصرار کر کے دکھانا اور اِسی کو اپنے جڑنے اور ٹوٹنے کی اساس بنا کر رکھنا اور اپنا جینا اور مرنا اِسی کے لیے کر لینا یہاں تک کہ یہی اس کی پہچان ہو اور یہی اس کا تعارف۔ یہ وہ پہلا اور بنیادی کام ہے جو انبیا کے پیروکار اِس دنیا میں کر کے جاتے ہیں۔ رسولوں کا مشن اصل میں یہی ہے۔ صالحین اور مصلحین کے عمل کا نقطۂ ابتدا یہی ہے اِس سے بڑھ کر سعادت کا کام دنیا میں کوئی نہیں۔ شریعت میں اِس سے بڑا کوئی فرض نہیں۔ عرش کے مالک کے ساتھ دوستی اور وابستگی کی اِس سے اعلیٰ تر کوئی صورت نہیں۔
پس میثاقِ لا الٰــہ الا الـلـہ یہی ہے کہ دنیا بھر میں غیر اللہ کی پرستش نہ کی جائے۔ عبادتِ غیر اللہ ہزار ہا لبادے میں اُس کے سامنے لے آئی جائے تو بھی اُس کی نگاہِ توحید شناس اُس کو پہچاننے میں دیر نہ کرے اور صاف صاف اُس کا کفر کرے۔ اسلام کو ایسے کلمہ گو کی ضرورت نہیں کہ جس سے ہزار ہا پیغام اسلام کے نام پر نشر ہوں مگر طاغوتوں اور اللہ کے شریکوں کے ساتھ عداوت کا لہجہ اُس کی دعوت ہی نہیں خود اُس کے فہم اسلام ہی میں عنقا ہو؟ شرک کا کوئی ملک اُس کی آنکھ میں کھٹکے اور نہ کوئی ملت۔ شرک کا کوئی عقیدہ اُس کو دعوتِ مبارزت دیتا ہو اور نہ کوئی نظام اور نہ کوئی دستور۔ شرک کے شعارات سے دنیا بھری پڑی ہو مگر عبادت کے نام پر اُس کو اپنے ورد اور وظیفوں ہی سے غرض ہو اور اللہ کے ساتھ محض اپنے قلبی تعلق ہی کی فکر ہو۔
دنیا باطل معبودوں سے اٹی پڑی ہو اور اس کو کوئی فکر ہو تو خیر سگالی کی۔ خدا کے حق پر ڈاکے پڑتے ہوں اور اِس کو فکر ہو تو مسکراہٹیں بکھیرنے کی۔ شرک پر اِس کا چہرہ کبھی غصے کے ساتھ تمتمائے اور نہ خدا کی گستاخی ہونے پر۔ یہ اپنے آپ کو چیلنج ہوتا ہوا محسوس کرے۔ الحاد کے ساتھ

اِس کوکوئی پرخاش اور نہ عبادت غیر اللہ کے ساتھ اِس کا کوئی جھگڑا۔ ہزار ہابار یہ **قُلْ یَا أَیُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ** پڑھ کر گزر جائے گا مگر اِس کو اسلام کی ڈپلومیسی کا کوئی مفہوم اِس کے اندر سے نہ ملے گا ہزاروں سیرت کی کتابیں اِس کی نظر سے گزریں گی، سیرت پروگراموں اور کانفرنسوں کے بغیر اِس کی زندگی کا کوئی سال نہ گزرا ہوگا یہاں تک کہ سیرت کی ایک ایک ڈی ٹیل اِس کو ازبر ہوگی مگر یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ ساری ہجرتیں، وہ سارے غزوے، وہ ساری جدوجہد، وہ سب مخالفتیں، وہ سب اذیتیں اور تکلیفیں اور دشمنیاں جو اِس نبی اور اس کی مٹھی بھر جماعت کو پیش آئیں اُس کی نوبت آخر آئی کیوں تھی؟ آخر وہ کون سا اسلوب تھا کہ ''نہیں کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ کے'' الفاظ کہنا ایک جرم بن جاتا تھا؟ انبیا کے واقعات بھلے مانس کو اِس دِقت اور تفصیل سے یاد ہوں گے کہ انسائیکلوپیڈیا کی شاید ہی کمی محسوس ہو مگر انبیا دنیا میں آئے کیوں تھے اور رسولوں کا اپنی قوموں کے ساتھ اصل جھگڑا کیا تھا۔ یہ ایک بات البتہ علم میں آنے سے رہ گئی ہو گی۔ وجہ یہی کہ دین کی ہر بات سمجھی مگر **لا الٰہ الا اللہ** کو نہیں سمجھا دین کا ہر سبق لیا مگر دین کا پہلا سبق لیے بغیر چھوڑ دیا۔

جاہلیت کو آج بطورِ خاص ایسے کلمہ گوؤں کی ضرورت پڑ گئی ہے جو اِس کلمے کے **لا** سے صرفِ نظر کر کے آگے گزر جائیں اور پھر خدا کو جتنا مرضی پوجیں یہاں تک کہ خدا کو ماننے کی دعوت بھی پھر جس قدر مرضی دیں۔ جہان میں اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی باقاعدہ پوجا اور پرستش ہو لیکن ہمارے اِن کلمہ گوؤں کو دیگر ادیان کے ساتھ صرف مشترک نکات کی تلاش ہو رسولوں کی دعوت تو اُس نزاع کو کھڑا کرنے سے شروع ہو جو خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے سے متعلق ہے اور اِن کلمہ گوؤں کی دعوت عین اِسی نزاع کو روپوش کرانے سے شروع ہو۔ اللہ کی پرستش کے لیے رسولوں کی ہمیشہ یہ پیشگی شرط رہی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش اور بندگی کا انکار ہو۔ دعوتِ اسلام کی یہ اخص الخاص پہچان ہے۔ انبیا نے قوموں کے سامنے اپنی پہلی بات ہی یہ رکھی ہے جبکہ مشترک نکات سامنے لانے کی گنجائش انبیا کے پاس بھی کچھ ایسی کم نہ تھی اور اِس اسلوب کے فوائد بھی ان کی نظر سے اوجھل نہ تھے لیکن اللہ کی تعظیم اور توقیر اِس کے سوا کچھ ہے ہی نہیں کہ سب سے پہلے شریکوں اور ہمسروں کی غلاظت ہی اُس کی بندگی کے تصور سے ہٹا کر رکھ دی جائے اور سب سے پہلے اُس کے نام اور اُس کے مقام کی یکتائی ہی تسلیم کروائی جائے۔ آخر وہ کون سا اسلام ہے جس میں اللہ کی تعظیم اور توقیر کی یہ اولین شرط ہی پس منظر میں لے جائی جائے؟ اسلام کی اِس اخص الخاص پہچان کے بغیر ہی دنیا میں اسلام کی کوئی پہچان کرالی جائے؟ اور خدا کو ماننے کے اِس بنیادی ترین تصور پر اصرار کیے بغیر ہی کسی کا خدا کو ماننا قابلِ اعتنا جان لیا جائے؟ اسلام کے داعی اِسی کو غنیمت جاننے لگیں کہ چلیں لوگ خدا کو مانتے تو ہیں اِس مشترک نکتے پر اِس قدر فریفتہ ہوں کہ متنازعہ نکات کو مذاہب کا اندرونی مسئلہ مان کر خاموش ہو جائیں؟ کون نہیں جانتا کہ دعوتِ رسل کے خنجر کا رخ ہمیشہ مذاہب کے اِسی اندرونی مسئلے کی جانب رہا ہے اور کسے معلوم نہیں کہ جاہلیت کا سب واویلا اِسی بات پر ہوا ہے؟ مشترک نکات کے سُروں پر معاذ اللہ اگر انبیا اور ان کے پیروکار بھی سر دھننے لگتے تو جاہلیت کہیں بڑھ کر اُن کے پیر چومتی اور آج کے تقاربِ ادیان کے مسلم داعیوں کی نسبت کہیں بڑھ کر اُن کو تمغے اور پرائز دیتی مگر یہ انبیا تھے جو جانتے تھے کہ خدا کے تمغے جاہلیت کے تمغے ٹھکرانے کی قیمت پر ملتے ہیں اور آخرت کی داد و تحسین دنیا میں خدا کی خاطر دشنام سننے کا انعام ہے۔

جاہلیت آج صدیوں کی محنت کے بعد گلوبلائزیشن کی صورت میں جس تیاری اور جس مشرکانہ ایجنڈے کے ساتھ میدان میں اتر چکی ہے، امکان ہے کہ پوری دنیا عنقریب وہی مکہ بن جائے اور ایمان کے ویسے ہی امتحان پھر سے ہونے لگیں۔ نہیں کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ کہنے والوں کا زمانہ دنیا میں کبھی بھی ختم نہیں ہوا لیکن اِس میثاقِ **لا الٰہ الا اللہ** کے ساتھ میدان میں اترنے والوں کا تو زمانہ آج خاص طور پر منتظر ہے۔

جاہلیت پورے جہان کو شرک کے ایک ہی جل تھل میں غرق کرا چکی۔ صرف اسلام کا وہ ایڈیشن درکار ہے جو جاہلیت کی جانب سے چھوڑے گئے مذاہب کے خانوں میں سے کسی ایک خانے میں فٹ ہو سکے اور جو اِس گلوبل ویلج کے لیے ایسے سدھائے ہوئے باشندے بڑی تعداد میں فراہم کرنے کا اجارہ لے جو پرسنل لائف میں ہی خدا کی پرستش کریں البتہ اس سے باہر کسی چیز سے تعرض نہ کریں۔ جو بڑے اخلاص کے ساتھ خدا کا حق خدا کو دیں اور قیصر کا حق قیصر کو۔ جن کے ذہن تک میں کبھی یہ سوال کھڑا نہ ہو کہ مسجدوں کی چاردیواری سے باہر اِن شہروں اور اِن ملکوں میں کون پوجا جاتا ہے اور کروڑوں اربوں کی ان آبادیوں پر شرق تا غرب کس کا قانون چلتا ہے؟ جو خدا کی عبادت کو بس قلبی واردات کا ہی محل جانیں اور اس کو دائرہ اخلاقیات سے باہر ہرگز نہ جانے دیں۔ رہے معاشرے اور ان کے چلائے جانے کی سمت تو نمازی اور روزہ دار

مخلوقات اس کو طاغوتوں کا ہی پیدائشی حق سمجھیں اور انہیں کی دائمی جاگیر۔ مذہب کا وہ ایڈیشن یہاں شدت کے ساتھ درکار ہے جو مسجدوں سے بڑے پیمانے پر ایسے عبادت گزار پیدا کر کے دے جو کفر کے محکوم معاشروں میں ناک کی سیدھ چلیں اور صرف اور صرف اپنی روحانی ترقی کی فکر کریں۔ ہر مذہب کو آج ایسے ہی پیروکار پیدا کرنا ہیں جن کے دین کا فرق عبادت خانوں کے اندر جا کر ہی پتہ چلتا ہو۔ رہی عبادت خانوں سے باہر کی دنیا تو یہاں سب کا دین ایک ہو۔ اِس کا نام مجرمینِ قریہ کی زبان میں گلوبلائزیشن ہے اس ولیج کا کوئی نقشہ اس کے سوا آج ان کے ذہن میں نہیں۔

صرف اور صرف اسلام ہے جو اس عالمی ایجنڈا کے مقابلے پر کھڑا ہے کیونکہ اس کا کلمہ **لا** سے شروع ہوتا ہے اور **الا اللہ** کا ادا ہونا اس **لا الٰہ** کے متحقق ہو جانے کے بعد ہی کوئی اعتبار رکھتا ہے اور **الٰہ** کا مفہوم اِس قدر جامع اور مکمل ہے کہ زندگی کی کوئی نشاط عبادت کی تعریف سے باہر نہیں۔ آج صرف اسلام ہے جو دنیا کو مذہب کا ایک اسٹینڈرڈ ایڈیشن دیے جانے کے اندر مانع ہے۔ ایک طرف پوری دنیا کی زمام ایک ہی عالمی ایجنڈا کے ہاتھ میں آ چکی ہے جو کہ تاریخ عالم کا ایک نہایت انوکھا واقعہ ہے۔ دوسری جانب پوری انسانیت کی مزاحمت دم توڑ چکی ہے اور مقابلے میں صرف اسلام باقی رہ گیا ہے۔

کلمۂ طیبہ کے تقاضے

دنیا ہمیشہ ہی شرک سے بھری رہی ہے اور موحدین کے چین کرنے کو یہ جہان بنا ہی نہیں۔ اِس کشمکش میں اصل رنگ ہمیشہ اُن سعادت مند نفوس سے پڑتا ہے جن کی زندگی اِس **لا الٰہ الا اللہ** کی شہادت ہوتی ہے۔ اِس شہادت کی جہاں اور بے شمار جہتیں ہیں وہاں یہ بھی باقاعدہ طور پر مطلوب ہے کہ آدمی اللہ کے حق کو غیر اللہ کے زیر استعمال دیکھے تو اس کو اپنی غیرت کا امتحان جانے۔ آدمی جب بھی یہ کلمہ پڑھے وہ شرک کی پوری ایک دنیا سے اپنے آپ کو الگ تھلگ ہوتا محسوس کرے۔ غیر اللہ کی پرستش پر قائم ملکوں کے ملک اُس کو ایک حرفِ غلط کی طرح نظر آئیں۔ وہ ہر اُس قوم، ہر اُس ملک، ہر اُس گروہ، ہر اُس نظام اور ہر اُس دستور سے اپنا آپ جدا ہوتا ہوا محسوس کرے جو اِس **لا الٰہ الا اللہ** کے ساتھ تصادم روا رکھے ہوئے ہو۔ واضح ہوا ایک فرد کا **لا اللہ الا اللہ** کہنا افراد کے بالمقابل ایک معنیٰ رکھتا ہے تو ایک قوم کا **لا الٰہ الا اللہ** کہنا اقوام کے بالمقابل اور ایک ملک کا **لا اللہ الا اللہ** کہنا ملکوں کے بالمقابل اور ایک امت کا **لا الٰہ الا اللہ** کہنا امتوں کے بالمقابل۔ ہر ہر سطح پر شہادتِ **لا الٰہ الا اللہ** کی الگ الگ ایک جہت ہے۔ **لا الٰہ الا اللہ** کے اقرار اور اعلان کے حوالے سے ایک فرد کو جو چیز کفایت کرتی ہے وہ ہرگز ایک جماعت کو کفایت کرنے والی نہیں۔ جماعتوں اور گروہوں کو جو چیز کفایت کرتی ہے وہ ہرگز ایک ملک اور ایک قوم کو کفایت نہیں کرتی۔ ہر کسی کو اپنی اپنی دنیا میں اور اپنی اپنی حیثیت میں **لا الٰہ الا اللہ** کی شہادت دینا ہے۔ ایک جماعت کو یہ کافی نہیں کہ اُس کے افراد **لا اللہ الا اللہ** پڑھتے ہیں نہ اُس کی بابت صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس میں پائے جانے والے افراد اپنی ذاتی حیثیت میں صحیح عقیدہ رکھتے ہیں اور شرک میں بھی ملوث نہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ شہادتِ **لا اللہ الا اللہ** کا مضمون جماعتی حیثیت میں اس سے کہاں تک نشر ہوتا ہے۔ ایک ملک کو اپنے باشندوں کا **لا الٰہ الا اللہ** پڑھنا کافی نہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اپنے اجتماعی نظام میں کہاں تک وہ ملک **لا اللہ الا اللہ** کی شہادت دیتا ہے اور اقوام کے بالمقابل وہ کہاں تک شرک اور توحید کے فرق کو سامنے لاتا ہے اور کہاں تک دنیا کے باطل معبودوں سے کفر اور بیزاری کر کے دکھاتا ہے۔ فرد سے آگے جوں جوں معاملہ بڑھتا ہے یہاں ہر ہر سطح پر ایک نئی جہت سامنے آتی ہے اور "نہیں کوئی پرستش کے لائق مگر اللہ" کی اِس شہادت میں ہر ہر مرحلے پر ایک نیا باب کھلتا ہے۔

پس یہ میثاقِ **لا الٰہ الا اللہ** وہ سرتاپیر تبدیلی ہے جو ایک فرد کا نقشہ بھی پیش کرتی ہے، ایک جماعت کا بھی، ایک معاشرے کا بھی، ایک قوم کا بھی اور ایک امت کا بھی اور ایک پوری دنیا کا بھی۔ یہ ہر ہر سطح پر انسان کے کردار کا ایک نہایت صحیح اور دقیق تعین ہے۔ انسانی عمل کی ہر ہر جہت اِس سے پھوٹ کر سامنے آتی ہے اور زندگی اور وجود کا کوئی پہلو اِس سے چھوٹتا نہیں۔ نہ آخرت پس منظر میں جاتی ہے اور نہ دنیا اِس کے دائرے سے باہر رہ پاتی ہے۔ یہاں خدا کا مقام بھی متعین ہوتا ہے اور مخلوق کی حیثیت بھی۔ یہ حق کا اثبات بھی ہے اور باطل کی نفی بھی۔ ولا بھی ہے اور برا بھی۔ طاغوت کا کفر بھی ہے اور اللہ کے ساتھ وابستگی بھی۔ یہ نفس کو بھی خدا کے آگے جھکانا ہے اور سماج کو بھی۔ یہ قلب کی بندگی بھی ہے، عقل کی تسلیم اور رضا بھی، زبان کی عبادت بھی اور جوارح کی فرماں برداری بھی۔ غرض ایک کامل میثاق ہے جس کا صلہ دنیا کی کامیابی ہے اور آخرت کی سرخروئی۔

﴿......﴾

انوار سیرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ کھانے

غذا بھی ہیں اور دوا بھی

از: محمد آصف رضا قادری

حدیث شریف میں ہے۔ عن عائشة قالت كانت رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب الحلواء والعسل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلوہ اور شہد پسند فرماتے تھے۔

عن ابن عباس قال كان احب الطعام الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم الثريد من الخبز والثريد من الحيس.

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام کھانوں میں زیادہ محبوب روٹی کی ثرید اور حیس کی ثرید تھی۔

شرح حدیث: ان دونوں حدیثوں کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد اور ثرید یہ چیزیں مرغوب و پسند تھیں اور آپ ان دونوں کو برغبت تناول فرمایا کرتے تھے۔

حلوہ: عام طور پر الحلواء کا ترجمہ ''شیرینی'' کرتے ہیں یعنی ہر میٹھی چیز مگر حضرت شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اشعۃ اللمعات: جلد ۳/ص ۴۹۱ میں ''مجمع البحار'' کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اس حدیث میں الحلواء سے مراد حلوہ ہی ہے یعنی وہ کھانا جس میں گھی اور میٹھا ڈال کر پکایا جائے۔ ہمارے ہندوستان میں عام طور پر سوجی یا گیہوں کا آٹا یا چنے کا بیسن گھی اور شکر ملا کر جو کھانا پکتا ہے اس کو حلوہ کہتے ہیں اور حدیث میں یہی مراد ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ مرغوب اور پسند تھا۔

شہد: حلوے کے ساتھ دوسری مرغوب غذا شہد ہے۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی خالی صرف شہد تناول فرماتے تھے اور کبھی اسے بطور سالن کے استعمال فرماتے تھے اور کبھی شہد کا شربت بھی نوش فرماتے تھے غرض کہ شہد کو طرح طرح سے آپ اپنی غذا میں استعمال فرمایا کرتے تھے لہٰذا یہ بھی حلوے کی طرح ایک مسنون خوراک ہے جس کا کھانا سنت اور باعثِ اجر و برکت ہے۔ واضح رہے کہ شہد ایک غذا ہونے کے علاوہ بہت سے امراض کی دوا بھی ہے۔

قرآنِ پاک میں ایک خاص سورہ نازل ہوئی جس کا نام ''سورۂ نحل'' ہے اس سورہ میں شہد کی مکھیاں اور شہد کی خوبیاں بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فیه شفاءٌ للناس فرمایا یعنی شہد میں لوگوں کے لیے بہت سی بیماریوں سے شفا ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ شہد کھا کر اجر و ثواب کی دولت بھی جمع کریں اور قرآنی نسخے کی اس قدرتی دوا سے شفا بھی حاصل کریں۔

گوشت: عن ابی هريرة قال اتى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بلحم فرفع اليه الذراع وكانت تعجبه فنس منها (مشکوٰۃ: ج ۲/ص ۳۶۶/ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو آپ کے سامنے اگلے دست کا گوشت پیش کیا گیا اور یہ آپ کو بہت اچھا لگتا تھا تو آپ نے اسے دانتوں سے نوچ کر کھایا۔

شرح حدیث: عام طور پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت بہت زیادہ پسند و مرغوب تھا اور آپ بکثرت اسے تناول فرماتے تھے۔

اونٹ، بھیڑ، بکری، دنبہ، نیل گائے، مرغ، بیڑ اور مچھلی وغیرہ حلال پرندوں اور چڑیوں کا گوشت کھانا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے مگر روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ آپ کو بکری کے گوشت میں سے اس کا اگلا دست بہت زیادہ پسند و مرغوب تھا اور آپ اسے دانتوں سے نوچ نوچ کر تناول فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ گوشت کو چھری سے کاٹ کاٹ کر مت کھایا کرو کیوں کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے بلکہ دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو کیوں کہ یہ زیادہ لذت بخش و خوشگوار اور زود ہضم ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ: ج ۲/ص ۳۶۶/ بحوالہ ابوداؤد)

کدّو: ایک دوسری حدیث میں ابوطالوت تابعی کا بیان ہے کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ کدو کی ترکاری کھا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ اے واہ رے درخت مجھ کو تجھ سے کتنی محبت ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تجھ سے محبت فرماتے تھے۔(ترمذی: ج ۲؍ص ۷؍)

شرحِ حدیث: کدو کی ترکاری سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب ومرغوب تھی۔اس بارے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ ایک روایت میں حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شریک تھا۔ایک پیالے میں سالن آیا جس میں گوشت کی بوٹیاں اور کدو کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے تو میں نے یہ دیکھا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیالے میں سے کدو کے ٹکڑوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تناول فرماتے تھے۔اسی وقت سے میں ہمیشہ کدو کی ترکاری محبوب رکھتا ہوں۔(ترمذی: ج ۲؍ص ۷؍)

کدو کی ترکاری کھانا سنت ہے اسی لیے بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ بکثرت اس ترکاری کو ثواب سمجھ کر کھایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو بطورِ تحفہ اس کا ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔

حریرہ: عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اخذ اهله الوعک امر بالحساء فصنعت ثم امرهم نحيوا منه و كان يقول انه ليرتوا فؤاد الحزين ويسروعن فؤاد السقيم كما تسروا احدكن الوسخ عن وجهها

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کسی کو لرزہ بخار آتا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم حسا (حریرہ) پکوانے کا حکم فرماتے تو وہ پکایا جاتا تو آپ اسے بیماروں کو گھونٹ گھونٹ پلانے کو کہتے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ غذا ہے جو غمگین کو سکون پہنچاتی اور مریض کے دل کی بے چینی کو اس طرح زائل کر دیتی ہے جیسے کہ تم عورتوں میں سے کوئی میل کو اپنے چہرے سے پانی کے ذریعے زائل کر دیا کرتی ہے۔(مشکوٰۃ: ج ۲؍ص ۳۶۷؍)

حسا: حسا کی تفسیر میں صاحبِ نہایہ نے تحریر فرمایا کہ یہ ایک مشہور کھانا ہے جو آٹے اور پانی اور تیل یا گھی کی ملاوٹ سے پتلا پتلا پکایا جاتا ہے جس کو گھونٹ گھونٹ پی سکیں جس کو اردو زبان میں ''حریرہ'' کہا جاتا ہے اور عام طور پر گھروں میں پکایا جاتا ہے۔حدیث شریف میں ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین سالن سرکہ ہے۔(ترمذی: ج ۲؍ص ۶؍)

تبصرہ: سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو ''سرکہ'' بہت محبوب تھا اور آپ بڑی رغبت کے ساتھ اس کو تناول فرماتے تھے اور اس کی مدح بھی فرمایا کرتے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چچازاد بہن ام ہانی بنت ابوطالب کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا میرے پاس میرے گھر میں روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ اسے میرے سامنے لاؤ جس گھر میں سرکہ ہوگا وہ گھر کبھی سالن سے خالی نہ ہوگا۔پھر آپ نے روٹی کے خشک ٹکڑوں کو سرکہ کے ساتھ بڑے شوق سے تناول فرمایا۔(مشکوٰۃ، ج ۲؍ص ۳۶۶؍)

الغرض سرکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا اس لیے سرکہ کھانا سنت ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابۂ کرام اور علما، اولیا اور صلحا سرکہ کو بطور سالن استعمال فرماتے رہے۔صاحب ''مجمع البحار'' اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ سرکہ بہترین سالن اس لیے ہے کہ یہ نہایت ہی سستا اور سہل الحصول اور معدے کے امراض کے لیے بہت مفید ہے اور لذت کے اعتبار سے بھی بہت خوش ذائقہ ہے۔عام طور پر اس دور کے مسلمانوں نے سرکہ کھانا چھوڑ دیا ہے اور اس طرح لوگ ایک مسنون سالن کے فوائد کے اجر وثواب سے محروم ہو گئے مگر پرانے دور کے اولیا، صالحین اور علمائے کرام بکثرت سرکہ استعمال فرماتے تھے اور علمائے کرام کا کوئی گھر اور صوفیہ کی کوئی خانقاہ سرکہ سے خالی نہیں رہتی تھی مگر اس زمانے کے لوگوں نے قسم قسم کے تکلفات میں پڑ کر سرکہ کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اور شاذ و نادر ہی کسی مسلمان کے دسترخوان پر سرکہ نظر آتا ہے۔افسوس! آج کل کے مسلمانوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین کے مبارک طریقوں کو چھوڑ کر دنیا دار لوگوں کے طریقوں کو اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں اپنا لیا ہے۔

واضح رہے کہ دوسرے قسم قسم کے سالنوں کو کھانا شریعت میں منع نہیں ہر قسم کے حلال سالن کھا سکتے ہیں مگر مسلمانوں کو ادائے سنت کی نیت سے کبھی کبھی سرکہ بھی کھا لینا چاہیے کہ یہ ایک مسنون غذا بھی ہے اور ایک نہایت ہی مفید دوا بھی ہے۔سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس سالن کی مدح فرمائی ہے بھلا اس کی افادیت وفضیلت اور اس کی خوبی ولذت کا کیا کہنا؟ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کھائے ہوئے کھانوں میں دوا بھی ہے اور غذا بھی۔خداوندِ کریم ہم سب مسلمانوں کو ہر عمل میں اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

﴿.......﴾
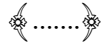
شرعی احکام ومسائل

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی

رفعِ یدین کے متعلق حدیث کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ نماز میں رکوع وسجود میں جانے اور اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنے کے بارے میں کیا کوئی حدیث صحیح ہے؟ اگر ہے تو حوالے کے ساتھ اسے ارقام فرمائیں۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حنفیہ کے پاس کوئی حدیث صحیح عدم رفع پر نہیں۔

از: مولانا عابد علی، امام قادری مسجد ذاکر نگر نئی دہلی۔

الجواب: وہابی غیر مقلدین سب حدیثوں کو نہیں مانتے اس لیے جو جو حدیث ان کی طبیعت کے خلاف ہوتی ہے اس پہ یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس لیے ان کی بات نہ سنیں۔

حق یہ ہے کہ مذہبِ حنفی کی بنیاد کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ پر ہے اور خاص رفع یدین نہ کرنے کے باب میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث صحیح موجود ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: **عن جابر بن سمرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: مالى اراكم رافعى ايديكم كأنها اذناب خيل شمس، اسكنوا فى الصلوٰة.**

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس (مسجد میں) تشریف لائے تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم لوگ رفعِ یدین کررہے ہو جیسے وہ ہاتھ چنچل گھوڑوں کی دمیں ہوں، نماز میں سکون کے ساتھ رہو۔ (صحیح مسلم شریف: جلد/۱، ص/۱۸۱)

یہ حدیث سنن ابوداؤد: جلد/۱، ص/۱۰۱۔ اور سنن نسائی: ص/۱۷۲۔ اور شرح معانی الآثار: ج/۱، ص/۱۵۸۔ اور مسند امام احمد بن حنبل: ج/۵، ص/۹۳ میں بھی بسند جید منقول ہے۔

نیز مسند امام احمد بن حنبل میں ہے:

عن علقمة قال، قال ابن مسعود: الا اصلى لكم صلوٰة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: فصلى، فلم يرفع يديه الا مرةً۔

حضرت علقمہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ ایک بار (تکبیر تحریمہ) کے سوا نہیں اٹھایا۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ج/۱، ص/۳۸۸، ۴۴۲)

معجم کبیر طبرانی میں ہے:

عن ابن عباس عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: لاترفع الايدى الا فى سبع مواطن. حين يفتتح الصلاة وحين يدخل المسجد الحرام فينظل الى البيت وحين يقوم على الصفا وحين يقوم على المروة وحين يقف الناس عشية عرفة وبجمع والمقامين حين يرمى الجمرة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سات جگہوں کے سوا کہیں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں (۱) جس وقت نماز شروع کرے۔ (۲) جب مسجد حرام میں داخل ہو اور بیت اللہ پر نظر پڑے۔ (۳) جب صفا پہاڑ پر کھڑا ہو۔ (۴) جب مروہ پہاڑی پر کھڑا ہو۔ (۵) وقوف عرفہ۔ (۶) وقوفِ مزدلفہ کے وقت۔ (۷) جس وقت جمرہ پر کنکری مارے۔ (معجم کبیر، طبرانی: ج/۱۱، ص/۳۸۵)

ان احادیثِ نبویہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ نماز میں صرف تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفعِ یدین مسنون ہے اور اس کے سوا کسی اور جگہ رفعِ یدین نہیں ہے یہی ائمۂ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے۔

ابتدائے اسلام میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں باہم کلام بھی کرتے تھے اور رفعِ یدین بھی مگر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے انہیں رفعِ یدین سے روک کر سکون کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم صادر فرمایا "اسکنوا فی الصلاۃ" تو رفعِ یدین کا حکم منسوخ ہوگیا جیسا کہ دوسری دلیل سے نماز میں کلام کرنا بھی منسوخ ہوگیا۔

اگر وہابی غیر مقلدین کو نماز میں حکمِ منسوخ پر ہی عمل کا شوق ہے تو انہیں چاہیے کہ پھر نماز میں بات چیت بھی کرتے رہیں آخر وہ بھی تو حدیث سے ثابت ہے۔

اہلِ حق اہل سنت و جماعت وہابیوں کی باتوں پر توجہ نہ دیں اور مذہب حنفی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

☆☆☆

ایک مسجد میں دوسرا جمعہ قائم کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک دومنزلہ مسجد ہے جس میں نماز جمعہ وپنج گانہ تقریباً پچیس سال سے قائم ہے اور اہلِ محلّہ کے لیے مسجد کافی ہے البتہ نماز جمعہ کے لیے کچھ لوگ باہر سے آتے ہیں جو مسجد کے اطراف وجوانب میں کام کرتے ہیں جس کی وجہ سے مسجد ناکافی ہوجاتی ہے اور نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد کے باہر گلی میں اور پیچھے میدان میں چٹائی بچھائی جاتی ہے جس میں لوگ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں لیکن چند دنوں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت قائم کی جائے تاکہ لوگوں کو باہر نماز ادا کرنے میں دھوپ اور بارش کی تکلیف نہ ہو اور لوگ جمعہ کی دوسری جماعت میں آرام سے ادا کرسکیں جب کہ اس مسجد کے اطراف وجوانب میں کئی مسجدیں ہیں جو صرف ۵ یا ۷/منٹ کے فاصلے پر واقع ہیں۔

ایسی صورت میں امر طلب یہ ہے کہ کیا ایک جمعہ کے بعد پھر جمعہ کی دوسری جماعت قائم کرسکتے ہیں؟ اس بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: قیوم خان، گڑیا نگر گلی نمبرا لنک روڈ ملاڈ ویسٹ، ممبئی

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس مسجد میں دوسری جماعتِ جمعہ قائم کرنا ہرگز جائز نہیں کہ جب ایک بار اقامت شعار ہوچکی تو دوبارہ اس مسجد میں اقامت شعار کی حاجت نہیں۔ پھر ہر شخص نماز جمعہ کا امام وخطیب بھی نہیں ہوسکتا۔ جمعہ نماز پنج گانہ کی طرح نہیں کہ جو شخص بھی مسائل نماز وطہارت سے واقف ہو اور اس کی قرأت صحیح ہو وہی امام بن جائے بلکہ اس کے امام کے لیے ضروری ہے کہ قاضیِ اسلام ہو یا اس کا مقرر کردہ ہو اور جہاں یہ دونوں نہ ہوں وہاں عامۂ مسلمین باتفاق رائے جسے منتخب کرلیں۔ تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ/۷۰۸ مطبع رضا اکیڈمی کا مطالعہ کریں۔ مگر جس مسجد کا یہ مسئلہ ہے وہاں قاضیِ شریعت سے اذن لیا جاسکتا ہے اس لیے عوام کو امام جمعہ کے .... اس لیے مسلمان وہاں جمعہ کی ہرگز دوسری جماعت نہ قائم کریں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

☆☆☆

کافروں کا بتوں کو دافعِ بلا ماننا

سورۂ اسرائیل/۵۷ میں ہے کہ اللہ کے "وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں" الخ۔ سوال یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی پوجا کرتے وقت وہ کافر کیا کرتے تھے اور کیا کہتے تھے؟

یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی شخص چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلمان جب کسی کی پوجا کرتا ہے گو چند کام......ضرور شامل رہتے ہیں (۱) جس کی پوجا کی جائے اس کے سامنے سر کو جھکانا چاہے دست بستہ ہوکر...... کی حالت میں جاکر یا سجدے کی حالت میں جاکر کسی بھی حالت میں سر کو جھکانا پڑتا ہے (۲) اس کی تعریف ......قسم کے جملے کہنا پڑتے ہیں جیسے اللہ اکبر، آپ بڑے مہربان ہیں کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے یا مہاراج کی وغیرہ (۳) پوجا کرنے والا جس کی پوجا کرتا ہے اس سے مدد کی درخواست کرتا ہے تو سوال یہ ہے کہ......مقبول بندوں کی پوجا کرتے وقت وہ کافر یہ سارے کام کرتے تھے یا نہیں؟

نیازمند: محمد مستقیم خان

الجواب: بےضرورت سوال سے پرہیز کرنا چاہیے مشرکین غیر اللہ کی پوجا کس طرح کرتے تھے کیا کہتے تھے۔ اس سے کیا غرض اور اس کا علم نہ ہو تو ایک مسلمان کی اسلامی زندگی پر کیا فرق پڑے گا۔ اس سلسلے میں بس اتنا علم کافی ہے کہ مشرکین غیر اللہ کو اپنا الہ ومعبود مانتے تھے اس کی عبادت و پوجا کرتے تھے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر/۵۶ و۵۷ میں ہے: **قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا. اولئک الذین یدعون یبتغون الیٰ ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب.**

اے محبوب! آپ فرمادیجیے کہ تم انہیں پکارو جنہیں اللہ کے سوا

معبود گمان کرتے ہو تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے کا اور نہ اسے دوسرے کی طرف پھیر دینے کا۔ وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۷/۵۷)

تفسیر روح المعانی میں ہے: **واخرج عبدالرزاق وابن أبي شيبة والبخاري والنسائي والطبراني وجماعة عن ابن مسعود قال: كان نفر من الانس يعبدون نفراً من الجن فأسلم النفر من الجن وتمسك الا نسيون بعبادتهم فنزلت هذه الأية، وكان هؤلاء الانس من العرب كما صرح به في رواية البيهقي وغيره عنه. وفي رواية ابن جرز انه قال: كان قبائل من العرب يعبدون صنفا من الملائكة يقال لهم الجن ويقولون هم بنات الله سبحانه فنزلت الأية. وعن ابن عباس انها نزلت في الذين اشركوا بالله تعالىٰ فعبدوا عيسىٰ وامه، وزيرا. اه ملخصا (۹۷، ۹۸ ج/۱۵)**

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں وہ غیر اللہ مثلاً حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر وملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام کی پوجا کرتے تھے اس لیے وہ مشرک ہوئے۔

اب اگر مشرک غیر اللہ مثلاً حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر علیہما الصلاۃ والسلام کو مددگار کہے یا ان سے "کشفِ ضرر" یعنی تکلیف دور کرنے بیماری سے شفا دینے کی درخواست کرے تو یہ کفر ہوگا کہ یہ ان کو قادر مطلق سمجھتا ہے لیکن اگر مسلمان انہیں مددگار سمجھے یا ان سے استغاثہ کرے تو جائز ہوگا کہ یہ انہیں اللہ کے اذن وعطا سے مددگار اور دافعِ بلا سمجھتا ہے۔ وہابیہ نے اپنی کم عقلی سے اس فرق کو نہ سمجھا انہوں نے قرآنِ پاک کی اس طرح کی کچھ آیات کو پڑھ کر یہ سمجھ لیا کہ مشرکین حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر علیہما الصلاۃ والسلام کو دافعِ بلا وکاشفِ ضر سمجھتے تھے اس لیے مشرک تھے۔ ممکن ہے ان کے سامنے تفسیر **روح المعانی** وغیرہ کی یہ عبارت ہو: **(اولئک الذين يدعون) أي اولئک الألهة الذين يدعونهم ويسمونهم الٰهة، أو يدونهم دينادونهم لكشف الضر عنهم** اه (روح المعانی: ص/۹۸، ۱۵)

لہٰذا جو کسی بھی نبی، ولی کو دافعِ بلا کاشفِ ضر ومددگار سمجھے وہ مشرک ہے حالاں کہ قرآنِ پاک کی بہت سی آیات اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ کثیرہ سے غیر اللہ کا دافعِ بلا، کاشفِ ضر اور مددگار ہونا ثابت ہے مثلاً خود حضرت عیسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلاۃ والسلام کے تعلق سے قرآنِ مقدس میں ہے: **واذا تخلق من الطين كهيئة الطير باذني فتنفخ فيها فتكون طيرا باذني وتبرى الاكمه والابرص باذني و اذ تخرج الموتى باذني** ۔اور جب تو مٹی سے پرندے کی شکل میرے اذن سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے اذن سے پرندہ ہو جاتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے اذن سے اچھا کرتا اور جب تو قبروں سے مردے نکالتا میرے اذن سے۔ (آیت/۱۱۰، سورۂ المائدہ/۵)

مادر زاد اندھے کو روشن آنکھیں عطا کرنا اور سفید داغ والے کو شفا دینا یقیناً کشفِ ضر ودفعِ بلا ہے۔

حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: **انی اخلق لكم من الطين كهيئة الطير فانفخ فيه فيكون طيرا باذن الله وانبئكم بما تاكلون وما تدخرون في بيوتكم (الى قوله) ولاحل لكم بعض الذين حرم عليكم.** میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے پرند ہو جاتی ہے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے اللہ کے اذن سے اور میں تمہاری خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے اور جو گھروں میں بھر رکھتے ہو تا کہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں۔ (آیت/ ۴۹، ۵۰ سورۂ آل عمران/۳)

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا دیتے ہیں۔

اب وہابی بتائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے باذن اللہ تعالیٰ کشفِ ضر کا عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں رکھتے ہیں تو یہ ان آیاتِ کریمہ کا کھلا ہوا انکار ہے لہٰذا وہ خود ہی کافر ہو گئے جیسا کہ وہ اپنے عقائدِ کفریہ کی وجہ سے پہلے ہی سے کافر ہیں اور اگر کہیں کہ کشفِ ضر کا عقیدہ رکھتے ہیں تو سورۂ بنی اسرائیل کی آیت/۵۷ سے معارضہ کیوں کرتے ہیں۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہابیہ نبی کے لیے کشفِ ضر کا عقیدہ شرک سمجھتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ وہابیہ قرآنِ حکیم کی ان تمام آیات پر ایمان ہی نہیں رکھتے جن میں غیر اللہ کے لیے دفعِ بلا اور کشفِ

ضر کا اثبات پایا جاتا ہے اور جو آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کا مطلب بڑی چال بازی کے ساتھ سنی دارالافتاء سے کسی سنی کے ذریعے سمجھتے ہیں تاکہ خود سنی عالم کے فتوے کے ذریعے سنی عوام کو گمراہ کر سکیں اسی لیے عوام کو حکم ہے کہ وہابیوں سے دور رہیں ان کو اپنے سے دور رکھیں نیز قرآنِ حکیم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ہے: **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** ۔اللہ ان کافروں پر عذاب نہ فرمائے گا جب تک اے محبوب آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافروں سے دفعِ بلا کا سبب ہیں تو مؤمنین کے لے بدرجۂ اولیٰ ہوئے۔

قرآنِ حکیم میں ہے: **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم رکعونo**

یعنی اے مسلمانو! تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھتے اور زکاۃ دیتے اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔نیز ارشاد باری ہے: **والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض** ۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

اس مسئلے کی تحقیق اور تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ مبارکہ ''**الامن والعلی**'' مطالعہ کریں جس میں کثیر آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ سے اس عقیدے کی وضاحت کی گئی ہے۔اس کے مطالعے سے وہابیوں کے مکر و فریب سے ان شاء اللہ تعالیٰ حفاظت رہے گی۔

فائدہ: وہابیہ توسل کو شرک کہتے ہیں جب کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۵۷ سے کھلے طور پر توسل کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔جس آیت کو اپنی نادانی سے وہ اہلِ سنت وجماعت کے عقیدے کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ خود انہیں کے باطل عقیدے کی عمارت کو مسمار کرتی ہے اور روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ حق وہی ہے جو اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے یعنی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں مقربین کا وسیلہ ڈھونڈھنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح کی کثیر آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام، رسلِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام مددگار، کاشفِ ضر، اور دافعِ بلا ہیں اور مؤمنین بھی ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔حضور کے صدقے میں اولیاء اللہ بھی بلائیں دور فرماتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے تاثیر خدائے برتر وتوانا کے اذن سے ہوتی ہے۔اگر وہابی ان آیات واحادیث پر ایمان رکھتے اور ایمانی نگاہ سے قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے اور احادیثِ شریفہ کو پڑھتے تو ان پر عیاں ہو جاتا کہ مومنوں کا انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو کاشفِ ضر ماننا اور ہے اور مشرکوں کا انہیں کاشفِ ضر ماننا اور ہے۔مسلمان انہیں باذن اللہ کاشفِ ضر مانتے ہیں جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور مشرک انہیں اس لیے کاشفِ ضر مانتے ہیں کہ ان کو اپنا معبود سمجھتے اور فاعلِ مختار جانتے ہیں۔ایمان دونوں طرح کی آیتوں پر رکھنا فرض ہے جیسا کہ یہی اہلِ سنت وجماعت کا شعار ہے اور بعض کو باتباعِ نفس ماننا اور بعض کو پسِ پشت ڈال دینا کفر ہے جیسا کہ یہ وہابیوں کا شعار ہے۔

سنیوں پر واجب ہے کہ وہابیوں سے دور رہیں، ان کو اپنے سے دور رکھیں اور ہرگز ہرگز ان کے فریب کے جال میں نہ پھنسیں۔حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ایاکم وایاھم فلا یضلونکم ولا یفتنونکم.**

واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿......﴾

بقیہ صفحہ ۵۳ کا

پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ سنی دعوت اسلامی ممکن ہے کہ مسلک کے خلاف کام کرتی ہو لیکن جب سے میں اس ماہنامے کے ذریعے اس سے متعارف ہوا ہوں تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ لوگوں کا غلط پروپیگنڈہ ہے اور یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔اس طرح کے لوگ اگر تحریک کے نزدیک آئیں گے تو ان پر حقائق کا انکشاف ہوگا۔ایسے لوگوں سے میرا کہنا یہی ہے کہ یہ تحریک مسلک اہلِ سنت وجماعت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کی تحریک ہے لہٰذا اس کا فروغ ہم سب کی دینی وملی ذمے داری ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کی تحریک کی دعوتی کوششیں قبول فرمائے اور امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری صاحب قبلہ کو عمر خضر عطا فرمائے۔آمین۔

از: احمد رضا قہر قادری ٹیچر الرضا کالج پورن پور پیلی بھیت، یوپی

﴿......﴾

خدمتِ خلق بھی عبادت ہے

(احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ صوفیہ کے حوالے سے)

از: امتیاز احمد مصباحی

صوفیاے کرام کی زندگی، ان کے احوال وکوائف اور شب وروز کے معمولات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح آشکارا ہوجاتی ہے کہ اگر ایک طرف ان کے دلوں میں خدا کا خوف اور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دریا موجزن تھا اور ان کی راتیں عبادت وریاضت، گریہ وزاری اور نالہ وفریاد میں گزرتی تھیں تو دوسری طرف مخلوقِ خدا کی حاجت روائی، فریادرسی، دل جوئی وخبرگیری بھی ان کی حیاتِ مستعار کے معمولات میں داخل تھے۔ اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی مزاج پُرسی فرماتے، اگر کوئی مقروض ہوتا تو باوجود فقر وفاقہ کے اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے حتی الوسع کوشش کرتے، کوئی نادار ومجبور اپنی کوئی فریاد لے کر ان کی بارگاہ کا رخ کرتا تو اس کی ناداری ومجبوری سن کر آبدیدہ ہوجاتے اور اس کی پریشانی دور کرنے کی فکر کرتے۔ مخلوقِ خدا کے لیے ان کے دل مثلِ دریا تھے بلا تفریق مذہب وملت ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ مصیبت کے ماروں، مسکینوں، یتیموں اور پریشان حال افراد کی پریشانیوں کے ازالے کے لیے ان کے دل ہمیشہ بے قرار رہتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان نیک بندوں کی زندگی محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات کے مطابق اپنی زندگی کے لمحات گزارنا ان کا حاصلِ زیست ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اعلیٰ اخلاق واقدار کا بے مثال نمونہ تھی ان سے زیادہ عمدہ اور اعلیٰ اخلاق دنیا میں کسی کا نہیں ہوسکتا۔ ارشاد خداوندی ہے: **وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم** (القلم: ۶۸/۴) ایک مقام پر خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا** (مشکوٰۃ: ص/۴۲۳) جو بڑا اپنے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور جو چھوٹا اپنے بڑوں کی تعظیم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: **الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ** (مشکوٰۃ: ص/۴۲۵) تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اس میں اس کو سب سے زیادہ محبوب وہی ہے جو اس کی مخلوق کے لیے نفع بخش اور فیض رساں ہو۔ نیز مسلم شریف کی ایک مشہور حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”روز قیامت اللہ تعالیٰ ایک انسان سے فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا تھا مگر تو نے میری عیادت نہ کی۔ بندہ حیران ہوکر عرض کرے گا بھلا ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے تو تو رب العالمین ہے۔ خداوند قدوس فرمائے گا کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہوگیا تھا اور تو نے اس کی خبر گیری نہ کی تھی حالانکہ اگر تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا (یعنی اس کی خدمت کرنے میں ہی میری خدمت گزاری تھی)۔ اسی طرح رب تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بھوکا تھا، تجھ سے کھانے کا سوال کیا تھا مگر تو نے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تجھے کسی چیز کی ضرورت ہو۔ فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کردیا تھا اگر تو اس کی حاجت روائی کردیتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا تو میری خوشی یہی ہوتی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گزریں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی بچے بجز اس کے کہ کسی کے قرض کی ادائیگی کے لیے اس میں سے کچھ روک لوں۔ (مصنف عبدالرزاق: ج/۱۰، ص/۱۳۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **اَنفِقْ اُنفِقْ عَلَیکَ** (بخاری: ج/۲، کتاب التوحید، رقم حدیث: ۷۱۹۵، مطبوعہ مجلس برکات مبارک پور) اے میرے بندو! تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنۃ بعید من النار** (ترمذی:

ج ۲؍ص ۱۸؍، ابواب البر والصلہ، مطبوعہ مجلس برکات مبارک پور)

سخی بندہ اللہ سے قریب ہے، اللہ کے بندوں سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایثار و سخاوت کے عظیم پیکر تھے۔ جو کچھ مال و زر ہاتھ آتا غربا و فقرا میں تقسیم فرما دیتے اور دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دیتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں ہم نے کبھی تین دن مسلسل شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حالانکہ ہم کھا سکتے تھے لیکن ہم ایثار کرتے تھے۔ (کیمیائے سعادت: اردو ترجمہ، از: مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، ص ؍ ۵۹۱، اصل ششم، مطبوعہ ادبی دنیا دہلی)

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کا رشتہ خالقِ کائنات اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مضبوط و مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ مخلوقِ خدا کے ساتھ بھی مستحکم ہوتا ہے۔ وہ تمام انسانوں کو بحیثیت ابن آدم ایک نظر سے دیکھتے ہیں وہ کثرت میں وحدت کے قائل ہیں اور ہر ایک کی خدمت اپنے لیے باعثِ افتخار گردانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ شرف الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۹۱ھ؍۱۲۹۲ء) اپنی تصوف اور حکمت وموعظت کی مشہور زمانہ کتاب گلستان سعدی میں ارشاد فرماتے ہیں:

بنی آدم اعضائے یک دیگر ند
کہ در آفرینش زیک جوہر ند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنتِ دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

تمام اولاد آدم بہ منزلہ ایک جسم ہیں کیوں کہ پیدائش میں سب ایک ہی اصل سے ہیں۔ اگر کسی ایک عضو میں کبھی درد و تکلیف ہو تو دوسرے اعضا کو بھی قرار نہیں رہتا۔ تم جو دوسروں کی تکلیف سے بے غم ہو اس قابل نہیں کہ تمہیں آدمی کہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار ان کے نظریۂ خدمتِ خلق کا واضح ثبوت ہیں۔ ان کی نظر میں روئے زمین کے بسنے والے تمام انسان ایک جسم کی مانند ہیں اور ایک انسان جیسے اپنے جسم کے تمام اعضا کی حفاظت کرتا ہے انہیں درد و تکلیف سے بچاتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی وجہ سے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم اس کے اثر سے تلملا اٹھتا ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہونا چاہیے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی تکلیف و دل آزاری سے بچے، ہر طرح سے اسے آسائش و آرام پہنچانے کی فکر کرے اور اگر کوئی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہو تو اس کے درد کو خود اپنا درد سمجھے یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔

صوفیائے کرام کا یہ نظریہ رہا ہے کہ

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح وسجادہ ودلق نیست

(ترجمہ) مخلوق خدا کی خدمت ہی طریقت ہے تسبیح و مصلیٰ اور گدڑی کا نام طریقت نہیں ہے۔

صوفیہ کے نزدیک خدمتِ خلق ایک بہت بڑا انسانی فریضہ ہے اور یہی اسلام کی روشن تعلیمات سے بھی واضح ہے۔ انہوں نے اپنی اسی مذہبی رواداری، آپسی میل محبت اور انسانوں کی دل جوئی و حاجت روائی کے ذریعے بہتوں کے دلوں میں اسلام و ایمان کی عظمت جاگزیں کر کے ان کے بے قرار دلوں کو فرحت کی دولت بخشی اور بے شمار افراد کو کفر و عصیان کے دلدل سے نکال کر ایقان و ایمان کی شاہراہ پر لا کھڑا کر دیا۔

آج مسلمانانِ عالم کی ذلت و رسوائی اور پستی و انحطاط کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے اندر خدمتِ خلق کا جذبہ سرد پڑ چکا ہے، اخلاقی پستی اور باہم اخوت و محبت کے فقدان نے ہمارے اسلامی تشخص کو داغدار کر دیا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی کامیابی اور فتح و کامرانی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ اخلاق و کردار کے دھنی تھے اور ہر مقام پر احترامِ انسانیت کا لحاظ رکھتے یہاں تک کہ غیر بھی ان کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ جس مذہب کے علم بردار اتنے خلیق اور اعلیٰ صفات و اقدار کے حامل ہوں وہ مذہب جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

صوفیائے کرام کی زندگی میں جا بجا ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں مظلوموں کی دستگیری، غربا و مساکین کی امداد رسی کی داستانیں موجود ہیں۔ نیز ان اولیائے کرام کے ملفوظات و ارشادات بھی لوگوں کو خدمتِ خلق پر ابھارنے کے لیے اور ان کی انسانی رواداری کے جذبے کی تفہیم میں معاون و مددگار ہیں۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۳ھ؍۱۲۳۶ء) فرماتے ہیں:

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ جہنم کو خوب دہکائیں۔ اس کے بعد وہ ایک پھونک ماریں گے تو قیامت برپا ہوگی تو جو شخص اپنے آپ کو اس دن کے عذاب سے بچانا چاہے تو اسے ایسی عبادت کرنی چاہیے کہ جس سے بہتر عبادت اللہ کے نزدیک اور کوئی نہ ہو۔ عرض کیا گیا وہ عبادت کون سی ہے تو فرمایا بے کسوں کی فریاد سننا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا۔ (دلیل العارفین: اردو ترجمہ، مجلس ششم، ص؍۲۷، مطبوعہ مکتبہ جام نور دہلی)

حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز نے فرمایا کہ میں نے اپنے پیر شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا ہے کہ اگر کسی شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔ (۱) سخاوت (۲) شفقت (۳) تواضع۔ سخاوت دریا کی سی، شفقت آفتاب کی سی اور تواضع زمین کی سی۔ (ایضا: ص؍۴۵)

نیز آپ نے فرمایا: درویشی اس بات کا نام ہے کہ جو آئے اسے محروم نہ کیا جائے اگر بھوکا ہے تو کھانا کھلایا جائے اگر ننگا ہے تو نفیس کپڑا پہنایا جائے بہر حال اسے خالی ہاتھ واپس نہ جانے دیا جائے اس کی دل جوئی ضرور کی جائے۔ (ایضا: مجلس دہم، ص؍۵۱)

خواجہ صاحب مزید فرماتے ہیں: ''اس سے بڑھ کر کوئی گناہ کبیرہ نہیں ہے کہ مسلمان بھائی کو بلا وجہ ستایا جائے۔ اس سے خدا ورسول دونوں ناراض ہوتے ہیں''

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں: ''گناہ تم کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا مسلمان بھائی کو ذلیل وخوار کرنا اور اس کی بے عزتی کرنا'' (ایضا: مجلس نہم، ص؍۴۳)

مشائخ نے محبتِ الٰہی کو خدمتِ خلق ہی کے ذریعے تلاش کیا تھا دنیائے تصوف کے نامور بزرگ سید الطائفہ ابوالقاسم حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۲۹۷ھ) فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حق کو مدینہ کی گلیوں میں پایا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا وہ کیسے؟ تو جواب میں فرمایا: ''ایک دن مدینے کے بازار میں چلا جارہا تھا کہ چند خستہ حال لوگوں کو دیکھا جن کی پریشان حالی کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ مجھے ان پر رحم آیا اور چاہا کہ میں بھی ان کے ساتھ رہوں اور ان سے موانست اختیار کروں۔ چنانچہ ان کی صحبت میں رہا اور سمجھ گیا کہ خدا شکستہ دلوں کے ساتھ ہے۔'' (سیر الاولیا مترجم: ص؍۵۸۵، مطبوعہ ادبی دنیا دہلی)

حضرت شیخ بہاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۵ھ) کے صحیفۂ زندگی میں بھی خدمتِ خلق کے جابجا واقعات ملتے ہیں۔ ایک بار ان کے مریدوں اور معتقدوں کا جہاز غرق ہورہا تھا غایتِ اضطراب میں انہوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا سے روحانی استمداد کی۔ اللہ جل شانہ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے۔ جب جہاز ساحل پر پہنچا تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک تہائی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی نقد وجواہرات لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر کل ستر لاکھ چاندی کے تنکے ہوئے تھے۔ شیخ نے اس کو قبول تو کرلیا لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حق داروں محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرادی۔ خواجہ فخر الدین گیلانی اس سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت اپنا تمام مال واسباب فقرا میں تقسیم کردیا اور فقیری اختیار کرلی۔ پانچ برس شیخ کی خدمت میں گزار کر حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے مگر جدہ پہنچ کر جنت کی راہ لی۔ (سیر العارفین: ص؍۱۱۶)

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۷۸۲ھ) بلند پایہ بزرگ، صوری ومعنوی کمالات ومحاسن کے پیکر اور تصوف وسلوک کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ آپ بھی انسانی ہمدردی وخیر خواہی کے عظیم علم بردار تھے۔ خلق کو ہر طرح سے اطمینان وسکون بہم پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتے، زخمی دلوں پر مرہم رکھتے گویا کہ آپ کی زندگی حدیثِ رسول **خیر الناس من ینفع الناس** کی عملی تفسیر تھی۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کا کام انجام دینا اور ان کے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے۔ یہ کام پیغمبروں کا ہے انہوں نے مسلمانوں کے کام کیے اور ان کی بلائیں اپنے سر لیتے رہے''۔

ملک خضر کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں قلم، زبان، مال اور جاہ سے جہاں تک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ۔ صوم وصلوٰۃ ونوافل اپنی جگہ پر اچھی ضرور ہیں لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سودمند نہیں۔ (مکتوباتِ سہ صدی: ص؍۴۶۰)

....

دعوت وتبلیغ کی سب سے بڑی رکاوٹ
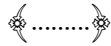
دینی ودنیوی طبقات کی دوریاں

(اسباب وعلاج)

از:عبدالرشید قادری

عصرِحاضر کے مسلم معاشروں میں دینی طبقے اور جدید تعلیم یافتہ دوسرے الفاظ میں دنیاوی طبقے کے درمیان کشمکش کی ایک شدید کیفیت پائی جاتی ہے۔ ہر طبقہ، معاشرے میں موجود دینی ودنیاوی کی تقسیم کا ایک دوسرے کو گردانتے ہوئے ملزم اپنے اپنے دلائل پیش کرتا ہے جب کہ صحیح صورتِ حال کی عکاسی اردو زبان کے اس محاورے سے ہوتی ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ یہ محاورہ اس صورتِ حال کے لیے بولا جاتا ہے جب کسی ناگوار معاملے میں ملوث دونوں فریق ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوں اور ہر فریق سارا ملبہ اپنے مخالف ہی پر ڈالنے پر تلا ہوا ہو۔ آیئے ہم ان دونوں فریقوں کے طرزِ عمل اور اس تشتت وافتراق کی تاریخ کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں اور اصل وجوہات کی کھوج لگاتے ہوئے قابلِ عمل حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں کی آپسی دوری کی وجہ سے بہت سارے کام رکے پڑے ہیں اور یہ دوریاں صرف اور صرف غلط فہمی کی بنا پر ہیں۔ اگر آج بھی یہ غلط فہمیاں ختم ہو جائیں تو دعوت وتبلیغ کی راہیں نکل سکتی ہیں اور بہت سارے کام بن سکتے ہیں۔

سبب کیا ہے؟ اس اختلاف کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں گزشتہ تین چار صدیوں میں یورپ میں رونما ہونے واقعات اور سیاسی ومعاشرتی تغیرات کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ یہ زمانہ یورپ میں بادشاہ، جاگیردار اور پوپ کے ظالمانہ اقتدار کے خلاف شدید ترین ردِعمل کا زمانہ تھا جس کے نتیجے میں بادشاہت اور جاگیرداری کا مکمل خاتمہ ہوا اور پوپ جو کہ مذہب کا نمائندہ تھا اس کے کردار کو گرجے کی چار دیواری تک محدود کر دیا گیا۔ اس تبدیلی کے پسِ پردہ عوامل میں اس ظالم تکون کا پرتشدد رویہ اور معاشرے میں علمی وتحقیقی آزادی پر قدغن لگانے کا مزاج تھا۔ بادشاہ اور جاگیردار تو اپنے اندھے اقتدار کے زعم میں عوام پر ظلم وستم کے پہاڑ گراتے اور پوپ اپنی الوہیت کو چھوتی ہوئی مذہبی حیثیت کو لوگوں سے مال ودولت لوٹنے کے لیے استعمال کرتا۔ پوپ کے خلاف ردِعمل کی شدت دوسرے گروہوں کے مقابلے میں اس پہلو سے زیادہ تھی کہ چرچ کے پھیلائے ہوئے فرسودہ اور من گھڑت اعتقادات جب سائنسی وعلمی ترقی کی وجہ سے مشاہداتی طور پر غلط ثابت ہونے لگے تو اس نے اس علمی تحریک کو تشدد سے کچل دینے کی پالیسی اپنائی اور علم وتحقیق کے علم برداروں کو الم ناک سزائیں دیں۔ آج بھی مغربی دنیا نے علامتی طور پر ان جگہوں کو محفوظ رکھا ہوا ہے جہاں ایک ایک دن میں کئی کئی سائنس دانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس تبدیلی سے بڑے نتائج برآمد ہوئے جنہوں نے بعد میں پوری دنیا کو متاثر کیا:

۱۔ بادشاہت اور جاگیرداری کا خاتمہ ہوا اور اس کی جگہ رفتہ رفتہ جمہوری نظامِ حکومت رائج ہوا جس میں اقتدارِ اعلیٰ کا محور عوام کو قرار دیا گیا اور پارلیمنٹ عوام کی خواہش معلوم کرنے کا ذریعہ قرار پائی۔

۲۔ اجتماعی معاملات سے مذہب کے کردار کو ختم کر کے اسے صرف گرجے تک محدود کر دیا گیا، مذہب اور اس کے قوانین پر عمل کرنا فرد کا ذاتی اور شخصی معاملہ قرار پایا اور یہ طے ہوا کہ سوسائٹی اپنے اجتماعی معاملات خود ہی طے کرے گی اسے کسی بیرونی رہ نمائی کی ضرورت نہیں۔

گویا اجتماعی زندگی میں مذہب کے کردار کا خاتمہ کر کے سیکولرزم کے نام سے ایک نیا حربہ ایجاد کر لیا گیا اور معاشرے کے افراد کو مذہبی وغیر مذہبی گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں دنیا میں صنعتی واقتصادی ترقی کی لہر اٹھی اور بد قسمتی سے مسلم ممالک کی حکومتوں نے اس طرف توجہ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ مغرب اپنی صنعتی اور اقتصادی قوت کے بل بوتے پر دنیا پر حکمرانی کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا اور اسلامی دنیا کے ممالک یکے بعد دیگرے اس کے سامنے ڈھیر ہوتے چلے گئے حتی کہ ۱۸۵۷ء میں برصغیر اور ۱۹۲۳ء میں خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد قوتیں عملاً اسلامی ممالک کی حکمراں بن گئیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے قدیم نظامِ حکومت اور نظامِ تعلیم کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور اپنا وہ نظام ان پر مسلط کر دیا جو اپنے تجربات کی روشنی میں انہوں

نے بنایا تھا۔ اس تسلط کے سائے میں معاشرتی وسائنسی علوم کا ایک طوفان آیا جس نے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی کہ یہ علوم ان کے لیے ناگزیر ہیں اور اگر انہوں نے ان کے حصول کی کوشش نہ کی تو زندگی کی دوڑ میں دنیا کا ساتھ نہیں دے سکیں گے لیکن یہ بھی بدیہی بات تھی کہ مغربی نظام کے تحت ان علوم کے حصول کے لیے انہیں اپنی تہذیبی وتمدنی روایات کی قربانی دینا پڑے گی۔ یہ بہت عظیم خطرہ تھا جو مسلمانوں کے تشخص کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

یہاں سے مسلم دنیا میں دینی اور دنیوی، مذہبی اور غیر مذہبی کی تقسیم شروع ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عظیم خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کے فکر مند افراد آگے آئے اور اپنے اعتقادات اور اپنے تمدن ومعاشرے کو بچانے کے لیے میدانِ عمل میں کود پڑے لیکن راہِ عمل کے انتخاب میں متفق نہ رہ سکے۔ ایک گروہ نے اپنا معاشرتی کردار بلند کرنے کے لیے اسی مغربی نظام میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا اور دوسرے افراد نے اپنی قدیم روایات، نظریات واعتقادات کی حفاظت کو اپنا مطمحِ نظر بنالیا۔ دونوں کام اہم تھے مقصود ایک ہی تھا لیکن راہیں جدا جدا تھیں۔ اول الذکر گروہ نے معاشرتی زندگی میں تو کسی نہ کسی طرح اپنی جگہ بنالی لیکن نئے نظام کی بھول بھلیوں میں کھو کر اپنی روایات ونظریات کو پسِ پشت ڈالتے چلے گئے اور نئے نظام کے تحت بغیر کسی نکیر کے زندگی گزارنے لگے۔ ان کی آئندہ نسلوں نے اسی نظام میں آنکھ کھولی اور ابتدائی راہِ عمل کے فرق کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے ہی بھائی بندوں سے اجنبیت محسوس کرنے لگے۔ جدید نظام نہ صرف ان کے دلوں میں گھر کر گیا بلکہ یہ اس کی دعوت بھی دینے لگے۔

دوسری طرف وہ لوگ جنہوں نے اپنے قدیم نظریات، روایات اور تمدن کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا وہ اپنے مخصوص عبوری حالات کے پیش نظر معاشرے سے بالکل کٹ کر اصحابِ کہف کی طرح ایک کونے میں جا بیٹھے اور اپنے دین ودینی علوم کو سینے سے لگائے رکھا۔ یہ لوگ برِ صغیر کے علاوہ دوسرے خطوں میں تو اس قدر کامیاب نہ ہو سکے لیکن برِ صغیر میں ان کی قربانیوں اور سرفروشی نے مغربی نظام کے سامنے مزاحمت کی مثال قائم کردی۔ انہوں نے اپنی عزت، اجتماعی زندگی اور معاشرتی مفادات کو تج دے کر اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا کہ رہتی دنیا تک مسلم دنیا ان کا احسان نہ چکا سکے گی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے تمدن وروایات کا دفاع کیا بلکہ اپنی بے مثال استقامت وایمانی فراست سے مغربی نظام پر ایسے کاری حملے بھی کیے کہ وہ اپنے زخم چاٹتے ہوئے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ان حضرات نے علمی وعملی دونوں محاذوں پر مغرب کی یلغار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بجا طور پر یہ کہنے کے مستحق ہیں

ہم کیسے تیراک ہیں جا کر پوچھو ساحل والوں سے
خود تو ڈوب گئے لیکن رخ موڑ دیا طوفانوں کا

ان لوگوں کی جدوجہد، قربانیاں اور اس کے ثمرات بجا لیکن دینی ودنیاوی طبقات کی کشمکش میں یہ لوگ بھی دانستہ نادانستہ حصے دار ضرور ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اپنی دینی اقدار کی حفاظت کے لیے یہ جس غار میں جا ٹھہرے تھے وہاں سے نکلنے میں انہوں نے کافی دیر کردی اور اس عرصے میں معاشرہ مغربی نظام سے کافی حد تک مسموم ہو چکا تھا۔ انہوں نے سوسائٹی میں بالکل بدلا ہوا ماحول پایا، معاشرے میں رائج زبان ان کی زبان سے اور اصطلاحات ان کی اصطلاحات سے مختلف تھیں۔ علم وتحقیق کے باب میں علم کی نئی اور مفید شاخوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ زمانہ جو پہلے قیاسات سے بہل جاتا تھا اب ہر بات کی دلیل مانگتا تھا۔ ذرائعِ ابلاغ کی ترقی سے دنیا سمٹ کر ایک چھوٹے سے گاؤں (global village) کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ یہ حضرات اپنے دامن میں حق بھی رکھتے تھے اور حق کی حفاظت کے سب دلائل بھی ان کے پاس تھے مگر زبان وماحول کی اجنبیت، لب ولہجے کا فرق اور مروجہ اصطلاحات سے ناواقفیت کی بنا پر سیکولرزم کے علم برداروں سے تو دور تھے ہی معاشرے کے عام سمجھ دار افراد کی فکر اور سوچ کو بھی زیادہ متاثر نہ کر سکے اور عوام کا جتنا کچھ تعلق ان کے ساتھ رہ گیا تھا وہ بھی محض عقیدت کی بنیاد پر تھا۔

یہ حال محدود شخصیات کے استثنا کے ساتھ تقریباً سارے ہی دینی طبقے کا تھا۔ اس پر مستزاد مدِ مقابل کا ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے ان کے خلاف پروپیگنڈا تھا جس کے نتیجے میں دینی طبقے اور عوام کے درمیان موجود خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ سیکولر لوگوں کا وہی مطالبہ تھا جو مغرب میں پوپ سے کیا گیا تھا کہ اپنا دائرۂ عمل مسجد ومدرسے تک محدود رکھو اور مذہب کو سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے علاحدہ رہنے دو۔ سیکولرزم کا نمائندہ یہ طبقہ اس وقت مسلم معاشرے اقتدار کے

سرچشموں پر قابض ہے اور معاشرے کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تعلیم، سیاست، معاشرت غرض ہر شعبۂ زندگی میں اس کو فیصلہ کن اتھارٹی حاصل ہے۔

اب کیا کریں؟ مسلم دنیا میں دینی و دنیاوی طبقات کی تقسیم اپنے ابتدائی مراحل میں صرف رائے اور طرزِ عمل کا اختلاف تھی لیکن رفتہ رفتہ یہ اختلاف نظریات واعتقادات کی دو مختلف راہوں کی شکل اختیار کر گیا اور اب دونوں طبقے اپنا ایک الگ نظامِ عمل اور جدا جدا Igealogies رکھتے ہیں اور عملاً دونوں دریا کے دو کناروں کا روپ دھار چکے ہیں جو چلتے تو ایک ساتھ ہیں لیکن ان کا ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوجانا خواب وخیال کی دنیا میں بھی ناممکن نظر آتا ہے۔ بہرحال معاشرے میں دینی و دنیوی طبقات میں دوری ختم کرنے کی ذمے داری سب سے زیادہ مذہبی حضرات پر عائد ہوتی ہے جس کے لیے چند اقدامات ضروری ہیں:

(۱) دینی فکر اور مزاج رکھنے والے ایسے افراد حکومتی مشینری میں شامل کیے جائیں جو مذہبی نقطۂ نظر کو حکومتی سطح پر قابلِ قدر اہمیت دلاسکیں تاکہ لوگوں کو اسلام کی حقانیت کا ان کے ذریعے علم ہو۔

(۲) عوام کو اپنی بات سمجھانے کے لیے رائج طریقوں اور زبان سے آگاہی حاصل کی جائے تاکہ ان پر واضح کیا جاسکے کہ فلاح اپنے دین وروایات میں ہی ہے۔

(۳) غیر مذہبی فکر کا مقابلہ کرنے کے لیے میڈیا میں ایسا مؤثر پلیٹ فارم تلاش کیا جائے جہاں سے ان کی بات توجہ اور دل چسپی سے سنی جاسکے۔

(۴) حکومتی شعبوں میں اپنے تعلیمی نظام کو عام تعلیم کی طرح سرکاری حیثیت دلائیں تاکہ ان کے مستفیضین معاشرے کے بے کار لوگوں کی لسٹ سے نکل کر کارآمد دائرے میں داخل ہوسکیں۔

(۵) مخالفین کو دلائل سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کریں کہ جو خطرہ مغرب کو مذہب سے تھا وہ تم کو اسلام سے ہرگز نہیں ہے۔

اگر ایسا کرلیا گیا تو ان شاءاللہ معاشرے میں اسلامی تعلیمات کے عملاً رائج ہونے اور دعوت وتبلیغ کے امکانات کی امید کی جاسکتی ہے۔

﴾.....﴿

ایک اہم اعلان

حضرت مولانا محمد میاں کامؔل سہسرامی اپنے زمانے کے مشاہیر میں تھے۔ ان کی شخصیت علمی، ادبی، تعلیمی، صحافتی اور قومی ہر سطح پر اپنے زمانے کے متعارف رہی ہے۔ علمی لحاظ سے ان کے مضامین اور کتابیں قابلِ ذکر ہیں تو ادبی لحاظ سے نثر میں ان کی مطبوعہ کتاب اور شاعری میں ان کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ غزلیں ان کی ادبی خدمات کی یادگار ہیں۔ ان پر ابھی تک کسی یونیورسٹی میں کوئی تحقیقی کام بھی نہیں ہوا ہے لہٰذا میرا ارادہ ہے کہ میں **مولانا کامؔل سہسرامی: حیات وخدمات** کے عنوان سے تحقیقی کام کروں۔ اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے حسب ذیل خاکہ (سنوپسس) میرے پیش نظر رہے گا۔

باب اول: مولانا کامؔل سہسرامی۔ شخصی زندگی کے احوال وآثار۔ باب دوم: مولانا کامل سہسرامی۔ خدمات کے حوالے سے ایک جامع جائزہ۔ باب سوم: مولانا کامؔل سہسرامی۔ بحیثیت ادیب (نثر ونظم کے حوالے سے)۔ باب چہارم: محاکمہ (مولانا کامل سہسرامی کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ)۔ باب پنجم: نمونۂ تحریر نظم اور نثر دونوں سے۔ کتابیات:

اس موضوع پر ریسرچ ورک مشہور ناقد ومحقق اور افسانہ نگار پروفیسر حسین الحق کی نگرانی میں مولانا محمد فرید داؤد نگری کریں گے۔

احباب، تلامذہ اور ہم عصر علما سے درخواست ہے کہ وہ درج بالا عنوانات پر معلومات فراہم فرمائیں۔

رابطے کا پتا: مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی۔ موبائل نمبر: 09430990786

تذکرۂ سرکار مسولی

حضرت میر محمد اسمٰعیل واسطی قدس سرہ

از: آصف خان رضوی اسماعیلی

ولادت: عالی نسب حضرت علامہ سید شاہ میر محمد اسماعیل صغروی واسطی قادری رزاقی بلگرامی رضی اللہ تعالی عنہ المعروف بہ سرکار مسولی کی ولادت صوبۂ اتر پردیش ضلع ہردوئی کے تاریخ ساز قصبہ بلگرام شریف میں جو مرشدانِ حقیقت ومعرفت کے مشائخِ کبار کی آرام گاہ، علما وفضلا اور شعرا کا مرکز رہا ہے، ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔

حسب ونسب: خاندانی اعتبار سے آپ نجیب الطرفین زیدی حسینی سید ہیں اور بلگرام شریف کے سادات حسینی واسطی محلّہ میدانپورہ میں رہنے والے خاندان پنج بھیا سے ہیں۔ ہند میں خانوادے کے سب سے پہلے بزرگ غواصِ بحرِ حقیقت وسیاحِ راہ طریقت شیخ الشیوخ تاجِ سلاسلِ سادات حضرت سید شاہ میر محمد دعوۃ الصغریٰ فاتح بلگرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن تاج العارفین بدر الکاملین ، اسوۃ المسلمین حضرت سید شاہ ابوالفرح واسطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکت ہے۔ شہنشاہ شمس الدین التمش کے زمانے میں شہر واسط سے جن کی تشریف آوری ہوئی۔ حضرت سید شاہ ابوالفرح واسطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عباسی عاملانِ مدینہ کے مظالم سے تنگ آکر شہر واسط میں سکونت پذیر ہوئے۔ شہر واسط عراق کا ایک مشہور شہر ہے جو کوفہ و بصرہ کے درمیان واقع ہے جس کو حجاج بن یوسف ثقفی نے ۸۳ھ میں دریائے دجلہ کے کنارے مروان بن عبدالمالک کے دورِ سلطنت میں آباد کیا تھا۔ ہندوستان کے شہرۂ آفاق قطب امام التارکین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم و سفارش پر سلطان شمس الدین التمش والیِ ہند نے اسوۃ المسلمین حضرت سید شاہ میر محمد دعوۃ الصغریٰ رضی اللہ عنہ کو ۶۱۴ھ میں بلگرام کو فتح کرنے کے لیے ایک بڑے لشکر جرار کے ساتھ بھیجا تھا۔ بعد فتح بلگرام وہیں پہ سکونت اختیار کر لی۔ اسوۃ المسلمین حضرت سید شاہ میر محمد دعوۃ الصغریٰ فاتح بلگرام کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی رضی اللہ عنہ سے شرفِ بیعت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ خلافت و نیابت کا امتیازی مقام بھی حاصل ہے۔ فاتح بلگرام کا وصال شریف ۱۴؍ شعبان المعظم بروز دوشنبہ ۶۴۵ء میں ہوا۔ بوقتِ وصال شریف آپ کی عمر شریف اکیاسی برس تھی۔ آج تک آپ کا مزارِ پاک مرجعِ خلائق ہے۔ بلگرام کے گرد ونواح کے علاوہ دور و دراز سے زائرین حصول فیوض وبرکات کے لیے تشریف لاتے رہتے ہیں۔

میر محمد دعوۃ الصغریٰ فاتح بلگرام رضی اللہ عنہ کی اولاد نے مختلف جگہوں کو اپنا مسکن بنایا۔ سراج السالکین حضرت سید شاہ علاؤ الدین بن فاتح بلگرام رضی اللہ عنہ کی اولاد پنج بھیا کے نام سے مشہور ہوئی جو بلگرام شریف، مسولی شریف اور مارہرہ مطہرہ میں آباد ہیں اور جس کی ایک شاخ مدینۂ منورہ میں اخوانِ خمسہ (پنج بھیا) کے نام سے اب تک موسوم اور معروف ہے بریں بنا اس محلے کا نام ہی اخوان خمسہ پڑ گیا۔

ہندوستان کا وہ حسین خطہ جو اودھ کے نام سے اپنی بہت سی خوبیوں کی بنا پر مشہور ومعروف ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔ صبح بنارس کی تمام رعنائیاں شامِ اودھ کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں۔ وہی خطۂ ہند ایک زمانے میں علم کا بہت بڑا مرکز رہا ہے تو دوسری طرف روحانیت کا سنگم بھی۔ اگر روحانیت کے اعتبار سے سرزمینِ اودھ پر نظرِ عمیق ڈالی جائے تو سرزمینِ اودھ کا سب سے بڑا مرکز قادریت جنت نشاں خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف ضلع بارہ بنکی ہے جو عاشقان رسول اعظم اور محبانِ غوث وخواجہ کی فہرست میں اپنا ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ خانقاہ اسماعیلیہ کے جانشین جو یکے بعد دیگرے ہوتے رہے ہیں وہ سادات مسولی ہیں جو نسباً زیدی سید ہیں اور حضرت امام زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں۔

اسوۃ الکاملین حضرت علامہ سید شاہ میر غلام آزاد بلگرامی رضی اللہ عنہ نے جو کہ سرکار مسولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر وہم نسب تھے، اپنی تصنیفِ لطیف ''مأثر الکرام تاریخ بلگرام'' میں رقم طراز ہیں کہ ''سید عالی نسب سرکار مسولی قدس سرہٗ بغرض تعلیم لکھنو تشریف

لائے اور شاہ محمد کے ٹیلے پر مقیم ہوئے اور استاذ المحققین حضرت علامہ سید شاہ میر محمد طفیل بلگرامی رضی اللہ عنہ وامام العارفین حضرت علامہ سید شاہ میر عبدالجلیل بلگرامی رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں داخل ہوکر بالترتیب کتبِ درسیہ تکمیل کی۔تفسیر، فقہ، حدیث، اصولِ فقہ، اصول حدیث، سیرت، لغت، فنون ادب، معقولات، منقولات وغیرہ پر دسترس حاصل کرنے کے بعد آپ پر جذبۂ شوق اور خداطلبی کا ولولہ حاوی ہوگیا۔حضرت محبوبِ سبحانی حضرت علامہ مخدوم سید شاہ عبدالرزاق محبوب قادری بانسوی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بغرض بیعت لکھنو سے بانسہ تشریف فرما ہوئے اور حضرت سرکار بانسہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں متعدد بار بیعت کی خواہش ظاہر کی لیکن ہر بار جواب نفی میں ملا۔ حضرت سید الطائفہ شمس المشارق والمغارب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کی روحانیت کی طرف اپنی توجہ کو مبذول کیا اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔حضرت سرکار بانسہ رضی اللہ عنہ کے جوابِ نفی کو برداشت نہ کرسکے چہرہ اترا اترا سا رہنے لگا اور بے حد مغموم رہنے لگے۔اسی دوران حضرت امیرالمومنین، امام المتقین علی ابن بی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے اویسی طریقے سے عالم رویا میں بیعت کی اور حکم فرمایا" جاؤ بانسہ جاکر سید عبدالرزاق بانسوی سے ظاہری بیعت حاصل کرلو"۔ادھر حضرت سرکار بانسہ رضی اللہ عنہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی آغوشِ مبارک میں سرکار مسولی کولٹائے ہوئے اپنے دست مبارک سے کھجور کھلا رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرا بیٹا آیا تھا اس کو تم نے بیعت کیوں نہیں کیا؟ بیعت کرو اور اپنی نگاہ کرم سے نوازو"۔ **اللہ الصمد!!**

اب دونوں مقدس ذات بابرکات ایک دوسرے کی تلاش میں سرگرداں رہیں۔دونوں ذات بابرکات کی ملاقات حضرت محمود شہید رضی اللہ عنہ کے مزارِ پاک کے پاس ہوئی۔(حضرت محمود شہید کی مزار بانسہ شریف ضلع بارہ بنکی سے ۵؍کلومیٹر بہرائچ روڈ پر واقع ہے۔)اور اسی وقت حضرت سرکار بانسہ رضی اللہ عنہ نے بیعت فرمائی اور جملہ سلاسل کی خلافت عطا فرمائی اور اوراد و وظائف، اذکار و اشغال اور امورِ باطنہ کی تعلیم دی۔اس کے علاوہ خرقہ وکلاہِ مبارک عطا فرمائی جو آپ کے شیخ تاج العارفین حضرت سید شاہ میر عبدالصمد خدانما قادری احمد آبادی گجراتی رضی اللہ عنہ نے عطا فرمائی تھی۔آپ اکثر و بیشتر مرشدِ برحق کی خدمتِ عالی جاہ میں حاضر رہتے تھے اور وہیں پر سکونت کے لیے اجازت طلب کی مگر حضرت سرکار بانسہ رضی اللہ عنہ نے مسولی میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "جمعہ جمعہ کا آیا کرنا، روز کا آنا جانا محبت میں کمی لاتا ہے"۔

حضرت سرکار مسولی جب مرشدِ برحق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی غرض سے حدودِ بانسہ میں قدم رکھتے ویسے ہی حضرت سرکار بانسہ رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر کھڑے ہوکر ارشاد فرماتے تھے "خبر یا خبر دیت ہے کہ عالی نسب واعلیٰ حسب آوت ہے۔" اور اس وقت تک کھڑے رہتے تھے جب تک حضرت سرکار مسولی وہاں پہنچ نہیں جاتے۔حضرت سرکار بانسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفۂ ارشد ہونے کے ناطے آپ کے شیخ آپ کو خصوصی توجہات، شفقتوں وعنایتوں سے نوازتے رہتے۔ اس کی وجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بشارتِ بیعت تھی۔

قطب الاقطاب حضرت سید شاہ عبدالرزاق محبوب قادری بانسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصالِ ظاہری کے بعد سرکار مسولی جانشین ہوئے۔ تمام خلفائے ومریدین ومعتقدین ومتوسلین نے تہہ دل سے حضرت سرکار مسولی کو اپنا مقتدا و پیشوا مان لیا۔علامۃ الزماں حضرت ملا نظام الدین رزاقی فرنگی محلی خلف الصدق حضرت مولانا قطب الدین سہالوی علیہا الرحمۃ الرضوان نے بھی حضرت سید عالی نسب کو مقتدا مانا۔جب انہیں کوئی سرکار بانسہ رضی اللہ عنہ کے وصال ظاہری کے بعد معاملہ درپیش ہوتا تو سرکار مسولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔حضرت ملا نظام الدین رزاقی فرنگی محلی سرکار مسولی کے متعلق رقم طراز ہیں۔"سرکار مسولی سید صحیح النسب عارفِ اسرارِ الٰہی جن پر قرآن کے حروفِ مقطعات کے معانی منکشف ہیں، الہامات وکرامت کے مقتدائے زماں، شیخ عصر، فردالافراد ہیں"

حضرت ملّا نظام الدین کی عقیدت سرکار مسولی سے اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خود سرکار بانسہ کے خلیفہ تھے لیکن اپنے خاندان والوں اور دیگر طالبینِ حق کو جو آپ کے پاس بیعت کے لیے آتے تھے تو آپ حضرت سرکار مسولی کی خدمت میں بھیج دیتے تھے۔سرکار مسولی نے اپنی فیض بخشیوں سے ہر خاص وعام کو روحانیت کا جام پلایا۔کتنوں کو رشد وہدایت کا علم بردار بنادیا لیکن افسوس صد افسوس کہ وہ گھڑی بھی آپہنچی کہ جس میں آفتابِ رشد وہدایت ماند پڑھنے لگا اور آہستہ آہستہ

كل نفس ذائقة الموت کے بحرِ عمیق میں غروب ہو ہی گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔آپ کی تاریخِ وصال ۱۴؍ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ ہے۔ مسولی شریف میں آپ کا مزارِ اقدس ہر خاص وعام کی زیارت گاہ ہے۔
حضرت علامہ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

۱) آفتاب سحرے آگاہ ہے — پیر روشن دل وصاحب تکمیل
۲) گفت تاریخ وصالش ہاتف — زیب خلد آمدہ میر اسمٰعیل

یعنی:۱) آپ سحر آگاہ آفتاب ہیں، روشن دل اور باکمال واصل الی اللہ پیر طریقت ۔۲)ان کے وصال کے ہاتف نے یہ تاریخ کہی میر اسمٰعیل جنت کی زینت بن کر آئے۔

آپ نے اپنے پیچھے دو صاحبزادے اور صاحبزادیاں چھوڑی ہیں۔دونوں صاحبزادے منبعِ سنت،عمدہ اخلاق،سادہ مزاج کے پیکر اور نمونۂ اسلاف تھے۔حضرت کمال الاولیاء سرکار مسولی کے شہزادۂ اکبر ہے۔آپ کا اسم گرامی مولانا حکیم سید شاہ کمال احمد واسطی اسماعیلی قادری بلگرامی ثم مسولی قدس سرہ ہے۔آپ کی ولادت ۹؍شوال المکرّم ۱۱۱۶ھ میں ہوئی آپ نے اپنے والد ماجد سے بالترتیب کتبِ درسیہ کا درس لیا۔سرکار مسولی کی خصوصی توجہ سے سارے علوم وفنون پر چند ہی دنوں میں دسترس حاصل کی ۔آپ علم ظاہری اور باطنی دونوں میں مجمع البحرین تھے آپ کو اپنے والد ماجد حضور سرکار مسولی علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل ہے۔

جمال الاولیاء حضرت مولانا حکیم سید شاہ جمال احمد واسطی قادری بلگرامی ثم مسولوی علیہ الرحمہ حضور سرکار مسولی کے شہزادۂ اصغر ہیں۔ آپ کی تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد سرکار مسولی کے زیر سایہ ہوئی اور سارے علوم وفنون بھی اپنے والدِ ماجد ہی سے حاصل فرمائے۔آپ کی ولادت ۱۱۲۲ء میں ہوئی بعدہ بیعت وخلافت بھی اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی۔آپ حکیمِ حاذق تھے۔مولا تبارک وتعالیٰ نے آپ کے دستِ مبارک میں خاص امراض کی خاص شفا عطا فرمائی تھی۔دوا اور دعا دونوں کے ذریعے خدمتِ خلق فرمائی۔آپ ایک گوشہ نشیں بزرگ اور عاشقِ رسول تھے آپ کی زندگی کا صوفیانہ انداز تھا اور لوگوں کی ضروریات کو بڑی خندہ پیشانی سے سماعت فرماتے تھے۔آپ کی وفات ۱۴؍ربیع الثانی ۱۱۹۰ھ میں ہوئی۔آپ کا مزار پر انوار آستانۂ عالیہ سرکار مسولی میں مصدرِ فیوض وبرکات وزیارت گاہ خاص وعام ہے۔

حضور سرکار مسولی علیہ الرحمہ کے خلفا:

۱) قدوۃ السالکین حضرت علامہ سید شاہ شاکر اللہ اسماعیلی سندولوی علیہ الرحمہ۔۲) سید الواصلین سید شاہ حضرت علامہ حمزۃ قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ۔۳) برہان الواصلین حضرت مولانا احمد حسین اسماعیلی فرنگی محلی رضی اللہ عنہ۔۴) عارف باللہ حضرت مولانا عبدالعزیز رزاقی اسماعیلی فرنگی محلی رضی اللہ عنہ۔۵) زبدۃ الاولیاء حضرت مولانا جاراللہ اسماعیلی رزاقی رضی اللہ عنہ۔۶) قدوۃ الاولیاء حضرت مولانا باراللہ شاہ اسماعیلی رزاقی رضی اللہ عنہ۔

حضور رئیس الاولیاء علیہ الرحمہ والرضوان (دادا حضور):

حضور رئیس الاولیاء عالی نسب سید شاہ حبیب احمد واسطی قادری اسمٰعیلی علیہ الرحمۃ الرضوان ۱۳۲۳ھ خانقاہ عالیہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔آپ سرکار مسولی علیہ الرحمۃ الرضوان کی چھٹی پیڑھی کے شہزادے ہیں۔عالی نسب کا گھرانہ قرب وجوار کی آبرو اور خانقاہ عالیہ اسمٰعیلیہ شریعت وطریقت کا مستند وارث وامین صادق ہے۔عالی نسب گھرانے کا ماحول علم وتصوف اور روحانیت کا سنگم تھا۔ علم وتصوف کے اس ماحول میں ہی حضرت رئیس الاولیاء نے آنکھیں کھولیں۔خاندانی رسم ورواج کے مطابق بسم اللہ خوانی آپ کے والدِ ماجد قطب وقت حضرت سید شاہ علی احمد علیہ الرحمہ نے بعمر چار سال چار ماہ چار دن کرائی۔ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں ہی رہ کر پوری کی۔بعدِ ازاں ملک کی عظیم درسگاہ میں جو فرنگی محل کے نام سے مشہور ہے،حضرت مولانا ثناءاللہ اسماعیلی رزاقی فرنگی محلی کی خدمت میں رہ کر اکتساب علم کیا۔آپ کا قوت حافظہ زبردست تھا جلد ہی سارے علوم وفنون پر دسترس حاصل کرلی اور فراغت کے بعد مسندِ سجادگی پر فائز ہوگئے۔

بیعت: حضور رئیس الاولیاء نے شہزادۂ غوث اعظم بغدادی سے اظہارِ بیعت فرمایا کہ میں آپ کے دست حق پرست پر مرید ہونا چاہتا ہوں مگر شہزادۂ غوث اعظم نے انکار فرمادیا۔آپ اس انکارِ بیعت سے بہت مغموم رہنے لگے۔شہزادۂ غوث اعظم حضور رئیس الاولیاء ہی کے مہمان تھے چنانچہ جب آپ نے سفر کا ارادہ فرمایا تو حضور رئیس الاولیاء نے پھر عریضہ پیش کیا کہ حضور خوانِ نعمت سے ہمیں بھی حصہ عطا ہو۔ شہزادۂ غوث اعظم نے تبسم فرمایا اور اپنی ولایت والی نگاہ اس مردِ مومن پر ڈالی۔چند منٹ کے توقف کے بعد فرمایا بیٹا آؤ!تمہیں اپنے سلسلے میں داخل کرتا ہوں۔بیعت کے وقت شہزادۂ سرکار بانسہ قطبِ زماں حضرت سید شاہ ممتاز احمد بانسوی قدس سرہ اور قطبِ وقت حضرت سید شاہ احمد جیلانی علیہ الرحمہ موجود تھے۔شہزادۂ غوث اعظم نے اپنے

ہاتھ پر حضور رئیس الاولیاء کا ہاتھ رکھا پھر حضرت سید شاہ ممتاز احمد بانسوی کا ہاتھ رکھا پھر سید شاہ احمد جیلانی کا ہاتھ رکھا۔ ان سب کے اوپر اپنا دستِ مبارک رکھا۔ جس جس نے ہاتھ رکھا وہ سب کے سب ولایت کے بحرِ ذخار تھے سبھوں نے مل کر آپ کو داخلِ سلسلہ کیا۔ دیکھیے ولایت کے تینوں سمندر ایک ہوکر آپ کو کس طرح فیض پہنچا رہے ہیں اس سے آپ کی عظمتِ شان اور علوِ مرتبت کا پتہ چلتا ہے۔

اخلاق وعادات: حضور رئیس الاولیاء کے اخلاق وعادات اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر تھے۔ عاجزی وانکساری، جود وسخا اور مہمان نوازی میں اپنے بزرگوں کے سچے وارث تھے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری، پابندیِ صوم وصلوۃ، شب بیداری اور تہجد گذاری میں سلف صالحین کے سچے وارث وامین تھے۔ پورے سو سال تک آپ نے دینِ متین اور خلقِ خدا کی خدمت کی بالآخر ۲۲؍ ذی القعدہ ۱۴۰۵ھ بروز جمعۃ المبارکہ میں اپنے رفیقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزارِ مقدس درگاہِ اسمٰعیلیہ کے احاطے میں اولیا مسجد کے متصل بائیں جانب مرجعِ خلائق اور مصدرِ فیوض و برکات ہے۔ (نوٹ: مکمل سوانح کے لیے کتاب ''تذکرہ رئیس الاولیاء'' کا مطالعہ کریں۔)

حضور مخدوم المشائخ نورالاولیاء علیہ الرحمۃ والرضوان:

زینتِ بزم اسمٰعیلیہ مرکز رشد وہدایت پیر طریقت آئینۂ شریعت پیکر خلوص آبشار عقیدت ومحبت پرتوِ جمالِ حبیب جانشینِ صدق وصفا حضرت عالی نسب سید شاہ الحاج نور احمد سیف اللہ واسطی بلگرامی ثم مسولوی کی شکل میں خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف میں دوسری کرن حضرت مخدوم المشائخ کی شکل میں نمودار ہوئی۔ آپ کی طبیعت میں نفاست پسندی بہت تھی آپ خلوص و وفا کے پیکر تھے۔ زہد وتقویٰ اور بزرگی آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ نگاہِ حضور رئیس الاولیاء نے آپ کے دل کی دنیا میں عشق ومحبت کا طوفان برپا کر دیا تھا۔

مخدوم المشائخ کی خصوصیات

آپ زہد وتقویٰ، شب بیداری، جود وسخا اور مہمان نوازی میں اپنے والد حضور رئیس الاولیاء کے آئینہ دار تھے۔ عاجزی وانکساری اور علم وعمل کے حسین پیکر تھے۔ فقر واستغنا، حلم وبردباری، طہارت و پاکیزگی، ضبط وتحمل، صبر ورضا، درویشی اور حسنِ اخلاق کا حسین مجسمہ تھے۔ ان کے اوصافِ حمیدہ نے اپنے تو اپنے غیروں کو بھی ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ دنیا والے آپ کو حضور رئیس الاولیاء کی کرامت کہا کرتے تھے۔ آپ کی عظمت وشان کا اس بات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دادا میاں حضور رئیس الاولیاء کو آپ کی ذات پر مکمل اطمینان واعتماد تھا یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنی حیات ہی میں اپنا نائب وجانشین منتخب فرمایا تھا۔ آپ کا وصال مبارک ۲۸؍ ذیقعدہ ۱۴۲۰ء مطابق ۶؍ مارچ ۲۰۰۰ء میں ہوا۔ آپ کا مزارِ پر انوار اپنے والد گرامی حضور رئیس الاولیاء علیہ الرحمہ کے پہلو میں مرجعِ خلائق ہے۔

موجودہ سجادہ نشین حضور گلزار ملت مدظلہ العالی والنورانی ہیں جو شب وروز حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے، اپنے آبا واجداد کی کے طریقوں پر چلنے اور تبلیغ دینِ اسلام میں مصروف عمل ہیں۔ آپ کا یہ جذبۂ جنوں اس قدر فزوں ہے کہ اس قلیل مدت میں آپ نے کتنے اندھے دلوں کو روشن کر دیا اور انہیں شرابِ وحدت کے جام پلا دیے۔

﴾......﴿
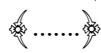
ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رحلت فرما گئے

اہل سنت کے معروف قلم کار ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ۱۶؍ اگست ۲۰۱۱ء مطابق ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کو صبح ۵ بج کر ۱۸ منٹ پر بریلی شریف میں انتقال کر گئے۔ وہ کافی دنوں سے علیل تھے۔ ان کی نماز جنازہ مولانا جمال رضا خاں نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں صاحب سجادہ مولانا سبحان رضا خاں، مولانا منان رضا خاں، مولانا توقیر رضا خاں، قاری تسلیم رضا، مفتی نعیم اللہ، مولانا عاقل رضوی سمیت درجنوں علما اور سرکردہ حضرات شریک تھے۔ ان کی تدفین خاندان اعلیٰ حضرت کے قبرستان سٹی اسٹیشن والے قبرستان میں بعد نماز عشا عمل میں آئی۔

موصوف کی بہت ساری قلمی خدمات ہیں اسی وجہ سے وہ دنیائے اہل سنت میں خاصے معروف تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ڈاکٹر صاحب کے سنی دعوت اسلامی سے بھی مراسم تھے آپ کے کئی مضامین سنی دعوت اسلامی میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے انتقال پر ادارہ گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور ان کے پسماندگان کے لیے دعا گو ہے۔ سنی دعوت اسلامی کے ہفتہ واری اجتماع میں ڈاکٹر صاحب کو ایصال ثواب کیا گیا۔ **(ادارہ)**

تیسری قسط

کنز الایمان اور امام احمد رضا

از: مولانا محمد ادریس رضوی

سوال: امام احمد رضا کتنے دنوں تک مدینہ منورہ میں رہے؟
جواب۔ اکتیس (۳۱) دنوں تک۔
سوال: امام احمد رضا کی مدینہ منورہ میں جن علما سے ملاقات ہوئی ان کے نام بتایئے؟
جواب۔ (۱) مولانا کریم اللہ (۲) مولانا سید محمد سعید مغربی (۳) مولانا سید عباس رضوان (۴) مولانا سید مامون (۵) مولانا سید احمد جزائری (۶) مولانا شیخ ابراہیم خرطومی (۷) مولانا مفتی تاج الدین الیاس (۸) مولانا مفتی عثمان غنی بن عبدالسلام داغستانی (۹) مولانا مفتی سید احمد برزنجی (۱۰) مولانا شیخ عبدالقادر طرابلسی شلبی وغیرہ۔
سوال: امام احمد رضا نے باضابطہ طور پر کس سن ہجری سے لکھنا شروع کیا؟
جواب۔ ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء سے
سوال: امام احمد رضا کی کتاب ''اَلنَّیِّرَۃُ الْوَضِیَّۃ شرح الْجَوْھَرَۃِ الْمَضِیَّۃ'' کا تاریخی مادہ بتایئے؟
جواب۔ ۱۲۹۵ھ
سوال: امام احمد رضا ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء میں پہلی بار حج کو گئے تو مکّہ مکرّمہ کے کس عالم نے اپنی کتاب ''الجوھرۃ المضیۃ'' پر عربی شرح لکھنے کی فرمائش کی تھی؟
جواب۔ حسین بن صالح جمال اللیل نے۔
سوال: امام احمد رضا نے مذکورہ کتاب پر کتنے دنوں میں شرح لکھی؟
جواب۔ دو دنوں میں۔
سوال: مشہور روایت وتاریخ اور اکابرین کے اقوال کے مطابق امام احمد رضا کو کتنے علوم پر دسترس حاصل تھی؟
جواب۔ ۵۵/علوم پر
سوال: امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے جن علوم کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اپنے والد قدس سرہ الماجد سے حاصل کیے، ان علوم کی تعداد بتایئے؟
جواب۔ اکیس علوم۔
سوال: امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے جن علوم کے بارے میں لکھا ہے کہ ''ان کو میں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا پَر نقاد علمائے کرام سے مجھے ان کی اجازت حاصل ہے، ان علوم کی تعداد کتنی ہے؟
جواب۔ دس علوم۔
سوال: امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے جن علوم کے بارے میں رقم فرمایا ہے کہ ''ان علوم کی اجازت دیتا ہوں جنہیں میں نے کسی افادہ بخش استاد سے حاصل نہیں کیا نہ پڑھ کر نہ سن کر اور نہ باہمی گفتگو سے، ان علوم کی تعداد بتایئے؟
جواب۔ چودہ علوم۔
سوال: امام احمد رضا نے فقہ کی روشنی میں کن جانوروں کو فاسق بتایا ہے؟
جواب۔ چیل، کوّا، بندر اور چوہے کو۔
سوال: شریعت میں کس قسم کی حرکتیں کرنے والے جانوروں کو فاسق کہا گیا ہے؟
جواب۔ جو بغیر اپنے نفع کے بالقصد ایذا پہنچائے۔
سوال: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی مجدّدیت کا اعلان سب سے پہلے کس شہر میں کس کی زبان سے کس سن عیسوی میں ہوا؟
جواب۔ پٹنہ شہر (بہار) کے ایک جلسے میں، مولانا عبدالمقتدر بدایونی کی زبان سے ۱۹۰۰ء میں ''مجدّد مائۃ حاضرہ'' کا اعلان ہوا۔
سوال: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو علمائے حرمین شریفین نے کس سن عیسوی میں ''چودھویں صدی کا مجدّد برحق'' کے خطاب سے نوازا؟
جواب۔ ۱۳۲۳ھ میں
سوال: امام احمد رضا نے ''وہ پانی جس سے وضو جائز ہے'' اس کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں؟

جواب۔ایک سوساٹھ قسمیں
سوال: امام احمد رضا نے ''وہ پانی جس سے وضو نا جائز ہے'' اس کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں؟
جواب۔ایک سو چھیالیس قسمیں
سوال: امام احمد رضا نے پانی کی کتنی ایسی قسمیں بتائی ہیں جن میں فقہا کا اختلاف ہے؟
جواب۔بیس قسمیں۔
سوال: امام احمد رضا نے پانی کی کتنی ایسی قسمیں بتائی ہیں جن میں جواز وعدم جوازِ وضو کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا؟
جواب۔پینتالیس قسمیں۔
سوال: امام احمد رضا نے وہ چیزیں جن سے ''تیمّم جائز ہے'' ان کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں؟
جواب۔ایک سو اکاسی قسمیں (ایضاً) ایک سو اکانوے قسمیں
سوال: امام احمد رضا نے وہ چیزیں جن سے ''تیمّم ناجائز ہے'' ان کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں؟
جواب۔ایک سو تیس قسمیں
سوال: امام احمد رضا نے بتایا ہے کہ سال کی چار تاریخوں میں زوال کا وقت ایک ہی ہے، وہ چار تاریخیں کون سی ہیں؟
جواب۔۱۶/اپریل، ۱۵/جون، ۱/ستمبر، ۲۵/دسمبر
سوال: ''سمندر کے نیچے آگ ہے'' اس کا ثبوت امام احمد رضا نے قرآنِ پاک کی کس آیت سے دیا ہے؟
جواب۔وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ سے
سوال: امام احمد رضا نے حدیثِ پاک کے وہ الفاظ ''زمین کے نیچے آگ ہے'' اس کا جو ثبوت پیش کیا ہے وہ عبارت سنائیے؟
جواب۔اِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا۔
سوال: امام احمد رضا کی تحقیق کے مطابق موسمِ گرما میں دوپہر کو گرمی زیادہ پڑتی ہے یا سہ پہر کو؟
جواب۔سہ پہر کو
سوال: امام احمد رضا نے موسمِ سرما کے متعلق رات کو سردی کا پڑنا زیادہ بتایا ہے یا صبح کو؟
جواب۔صبح کو
سوال: امام احمد رضا نے ''زمین'' کے ساکن ہونے پر ایک سو پانچ دلیلیں پیش کی ہیں بتائیے ان میں سے کتنی دلیلیں کتابوں سے لی ہیں اور کتنی ان کی ایجاد ہیں؟
جواب۔پندرہ دلیلیں کتابوں سے لیں ہیں اور نوّے ان کی ایجاد ہیں۔
سوال: امام احمد رضا نے کن کن سائنسدانوں کے نظریات کی تردید کی ہے؟
جواب۔نیوٹن، کاپرنیکس، کیپلر، آئن سٹائن، ایف البرٹ پورٹا وغیرہ کی ہے۔
سوال: ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کا سب سے پہلا ایڈیشن کس مطبع میں طبع ہوا؟
جواب۔مطبع نعیمی مرادآباد میں۔
سوال: ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کا پہلا ایڈیشن رف کاغذ پر کتنے صفحات پر مشتمل تھا؟
جواب۔۴۸۸/صفحات پر۔
سوال: فتاوی رضویّہ جلد اوّل میں کُل استفتا کی تعداد کتنی ہے؟
جواب۔ایک سو اکاسی (۱۸۱)
سوال: فتاوی رضویّہ جلد اوّل میں علما و دانشور حضرات کے استفتا کی تعداد کتنی ہے؟
جواب۔انچاس (۴۹)
سوال: فتاوی رضویہ جلد اوّل کی اشاعت سب سے پہلے کس سن میں کہاں سے ہوئی؟
جواب۔۱۹۱۸ء میں شہر بریلی سے ہوئی۔
سوال: فتاوی رضویہ جلد اوّل کی پروف ریڈنگ کس نے کی تھی؟
جواب۔استاذ العلماء مولانا حسنین رضا بریلوی نے۔
سوال: فتاوی رضویہ جلد اوّل کے پہلے ایڈیشن کی قیمت کتنی تھی؟
جواب۔صرف دو روپے
سوال: فتاوی رضویہ جلد اوّل کس پریس میں چھپی تھی؟
جواب۔حسینی پریس بریلی میں۔
سوال: امام احمد رضا کی سرپرستی میں ماہنامہ ''الرّضا'' کا اجرا کس سن میں ہوا؟
جواب۔محرم الحرام ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں۔
سوال: ''الرّضا'' کے مدیر کا نام بتائیے؟
جواب۔مولانا حسنین رضا خان بریلوی

سوال:''الرضا'' کا پہلا شمارہ کتنے صفحات پر مشتمل تھا؟
جواب۔۲۴؍صفحات پر
سوال:حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کی اجازت سے حافظ افتخار ولی خاں پیلی بھیتی نے کون سا ماہنامہ جاری کیا؟
جواب۔ماہنامہ تحفۂ رضویہ۔
سوال:حضور مفتی اعظم ہند کی سرپرستی میں صوفی عزیز احمد بریلوی نے کون سا ماہنامہ جاری کیا؟
جواب۔ماہنامہ نوری کرن۔
سوال:ماہنامہ نوری کرن کے ایڈیٹر کا نام بتائیے؟
جواب۔صوفی اقبال احمد نوری۔
سوال: جماعت رضائے مصطفےٰ کا ترجمان ''ماہنامہ یادگار رضا'' کس سن ہجری میں جاری ہوا؟
جواب۔ربیع الاوّل ۱۳۴۵ھ میں۔
سوال:''یادگار رضا کے سرپرست اور ایڈیٹر کا نام لکھیے؟
جواب۔مفتی حامد رضا خاں اور ایڈیٹر مولانا محمد علی حامدی تھے۔
سوال: قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی نے عظیم آباد پٹنہ سے ''ماہنامہ تحفۂ حنفیہ'' جاری کیا تھا۔فردوسی صاحب روحانی طور پر اعلیٰ حضرت کے کون تھے؟
جواب۔خلیفہ تھے۔
سوال:ماہنامہ تحفۂ حنفیہ (پٹنہ) سے کس سن میں جاری ہوا؟
جواب۔۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں۔
سوال:بریلی شہر سے امجد شاہ نے ایک اخبار جاری کیا تھا اس اخبار کا نام بتایے؟
جواب۔المجدّد
سوال:بریلی شہر سے ماہنامہ قہرالدیان جاری ہوا تھا اس کے بانی اور ایڈیٹر کا نام بتائیے؟
جواب۔بانی و ایڈیٹر مولانا حسن رضا بریلوی تھے۔
سوال:مولانا حسن رضا بریلوی کی سرپرستی اور زیرنگرانی میں ایک ماہنامہ اور ایک ہفت روزہ جاری ہوا تھا ان دونوں کے نام بتائیے؟
جواب۔ماہنامہ ''بہارِ بےخزاں'' اور ہفت روزہ اخبار ''روزافزوں''
سوال:مذکورہ ماہنامہ اور ہفت روزہ کے مدیروں کے نام لکھئے؟
جواب۔حمد بریلوی اور نامی بریلوی۔
سوال:مذکورہ ماہنامہ اور ہفت روزہ کے نام کا انتخاب کس نے کیا تھا؟
جواب۔داغ دہلوی نے
سوال:دارالعلوم منظر اسلام بریلی کا ترجمان ماہنامہ یادگار اعلیٰ حضرت کس نے جاری کیا؟
جواب۔مولانا ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں نے۔
سوال:یادگار اعلیٰ حضرت کس سن میں جاری ہوا؟
جواب:جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ دسمبر ۱۹۶۰ء میں۔
سوال:مذکورہ ماہنامے کو ماہنامہ اعلیٰ حضرت کس نے کیا؟
جواب۔ریحان ملّت حضرت مولانا ریحان رضا خاں نے۔
سوال:ماہنامہ نوری کرن بریلی سے کس سن عیسوی میں جاری ہوا؟
جواب۔مارچ ۱۹۵۹ء میں
سوال:بریلی شہر سے ماہنامہ دامنِ مصطفیٰ کس نے جاری کیا؟
جواب۔حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب نوری نے۔
سوال:ماہنامہ پاسبان الہ آباد کا ''امام احمد رضا نمبر'' کس سن میں شائع ہوا تھا؟
جواب۔اپریل ۱۹۶۲ء میں۔
سوال:ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی کا ''اعلیٰ حضرت نمبر'' کس ماہ اور کس سن میں شائع ہوا تھا؟
جواب۔جون ۱۹۶۲ء میں۔
سوال:ماہنامہ تجلیات ناگپور نے ''مجدد اعظم نمبر'' کب شائع کیا تھا؟
جواب۔جون ۱۹۶۶ء میں۔
سوال:ماہنامہ ترجمانِ اہل سنت کراچی کا ''اعلیٰ حضرت نمبر'' کب نکلا تھا؟
جواب۔مارچ ۱۹۷۰ء میں۔
سوال:ماہنامہ فیض رضا لائل پور کا ''اعلیٰ حضرت نمبر'' کس سن میں نکلا تھا؟
جواب۔۱۹۷۰ء میں۔
سوال:ماہنامہ عرفات لاہور کا ''اعلیٰ حضرت نمبر'' کب منظر عام پر آیا تھا؟
جواب۔اپریل ۱۹۷۰ء میں

(......)

ٹیم ورک کے بغیر کامیابی نہیں ملتی

پیش کش: صادق رضا مصباحی

کیا ایسے رفقائے کار ملیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ سے زائد انبیا کو دنیا میں بھیجا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر لڑائی لڑی مگر اس لڑائی میں جو کامیابی اور غلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا وہ کسی اور رسول کے حصے میں نہیں آیا۔ اس واقعے کے جہاں اور دیگر اسباب ہیں وہیں اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آپ کو بڑی تعداد میں ایسے اصحاب مل گئے جنھوں نے جان و مال اور عزتِ نفس ہر چیز کی قربانی دے کر اپنے آپ کو خدا کے لیے وقف کر دیا۔ صحابہ میں سمیہ اور یاسر جیسے مظلوم شہدا بھی تھے، عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان جیسے انفاق کرنے والے بھی تھے، علی اور محمد بن مسلمہ جیسے شجاع اور دلیر افراد بھی تھے، ابوعبیدہ بن جراح اور خالد بن ولید جیسے سپہ سالار بھی تھے، ابو بکر اور عمر جیسے جامع صفات لوگ بھی تھے، مہاجرینِ مکہ جیسے بیش قیمت قربانیاں دینے والے جاں نثار بھی تھے اور انصار جیسے ایثار کرنے والے رفقا بھی تھے کہ ہر قربانی اور ایثار کے بعد اجر اور بدلے کے موقع پر پیچھے ہٹ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے انسانی تاریخ کے سب سے بڑے ناممکن کو اپنے کردار سے ممکن بنا دیا۔

صحابۂ کرام کے کردار کا اندازہ دو واقعات کے تقابل سے کیا جا سکتا ہے۔ پہلا واقعہ بنی اسرائیل کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ڈوبنے کے بعد حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو لے کر جائیں اور فلسطین فتح کر لیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ تھا جس میں ان کی فتح یقینی تھی مگر اس موقع پر ان کی قوم بنی اسرائیل نے بزدلی دکھائی اور یہ کہہ کر پیٹھ پھیر لی کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطین حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون جیسے جلیل القدر انبیا کی موجودگی کے باوجود فتح نہیں ہو سکا۔ اس کے برعکس جنگِ بدر کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے سامنے جہاد کی بات رکھی تو انہوں نے پورے جذبے کے ساتھ اپنے آپ کو جہاد کے لیے پیش کر دیا بلکہ اس موقع پر یہ بے مثال الفاظ کہے کہ یا رسول اللہ آپ اگر ہمیں لے کر سمندر میں اتر جائیں تو ہم بے جھجک آپ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ سرزمینِ عرب پر دینِ حق کا غلبہ قائم ہو چکا تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے فروغ کا انحصار بڑی حد تک اس بات پر ہوتا ہے کہ انھیں کس قسم کے ساتھی ملے ہیں۔ اگر ان کے ساتھیوں کے نزدیک ان کی دعوت دل کا درد نہیں بلکہ دل چسپی کا ایک مشغلہ ہو، ان کی زندگی آسائشوں اور آسانیوں کے حصول اور خواہشات اور مفادات کی تکمیل سے عبارت ہو، بیوی بچے، خاندان، کیریئر اور اسٹیٹس ان کی اصل ترجیحات ہوں تو دعوت اپنے پیش کرنے والے کی ذاتی صلاحیت اور قوت کی بنیاد پر کچھ نہ کچھ تو جگہ بنا لیتی ہے مگر اس کے فروغ کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس جس دعوت کو اعلیٰ انسانوں کا ساتھ حاصل ہو جائے، قربانی دینے والے، استقامت دکھانے والے، دعوت کو اپنا ذاتی مسئلہ بنانے والے اور ہر مشکل کے باوجود ساتھ دینے والے انسانوں کا تو پھر یہ دعوت لازماً فروغ پاتی ہے۔ کمزور اور غیر مدلل دعوت بھی بہترین انسانوں کے بل بوتے پر بہت آگے بڑھ جاتی ہے جبکہ بہترین پیغام بھی عالمِ اسباب میں صرف اس وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہے کہ اسے اعلیٰ انسانوں کا ساتھ میسر نہیں آ سکا۔ اس سے پتہ چلا کہ ٹیم ورک کسی بھی پروجیکٹ کی تکمیل کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے اس کے بغیر کامیابی حاصل کرنا ناممکن تو نہیں مگر بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

مناسب رہنمائی نہیں

ٹیم ورک حوصلوں کو ہر وقت تازہ دم رکھتی ہے پیچھے ہٹنے پر مجبور نہیں کرتی۔ افسوس آج ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر یہی ٹیم ورک نہیں ہے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ہمارے پاس باصلاحیت ٹیم بھی ہے اور ان کے پاس کچھ کر گزرنے کا جذبہ بھی ہے۔ بس ضرورت ہے صرف مناسب رہنمائی کی جو بدنصیبی سے کم ہی میسر ہے۔

ناسمجھ داعی

ہمارے معاشرے میں یہ عام دیکھنے میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص دین کا کچھ شعور حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ حق پرستی کے جوش میں آ کر یا باطل کی تردید کے جذبے سے مغلوب ہو کر غلط مذہبی عقائد اور رسوم کے حاملین پر جارحانہ تنقید ہی نہیں کرتا بلکہ ان کی پسندیدہ مذہبی شخصیات کی بھی تضحیک کرتا ہے۔ وہ جس مجلس میں بھی بیٹھتا اور جس محفل میں بھی شریک ہوتا ہے، اختلافی امور سے بات شروع کرتا اور اختلافی امور ہی پر ختم کرتا ہے اور بسا اوقات اخلاق اور شرافت کی حدیں بھی توڑ دیتا ہے۔ اس کے مباحثے کی نوعیت مناظرہ بازی اور ذہنی دنگل کی سی ہوتی ہے۔ کج بحثیاں اور پھبتیاں اس میں نمایاں ہوتی ہیں۔ وہ مخاطب کو اپنا حریفِ مقابل سمجھتا اور ہر وقت اسے چت کرنے کے در پے رہتا ہے اور اگر مخاطب اس کے نقطۂ نظر سے اتفاق نہ کرے تو اسے کافر، مشرک یا بدعتی قرار دے کر گفتگو کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا ہے۔ اس نوع کی تبلیغ کا نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ مخاطب ایسے مبلّغ کو مذہبی جنونی اور اپنا مخالف سمجھنے لگتا ہے۔ باہمی تعلقات خراب یا سرے سے ختم ہی ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات تو نوبت لڑائی بھڑائی تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح ایک دین کا داعی اپنی بے حکمتی کے باعث دین وملت کے لیے ضرر رساں بن جاتا ہے اور بہت سے اجتماعی وتمدنی مسائل پیدا کر دیتا ہے۔

(ماخوذ: ڈبلیو ڈبلیو اشراق ڈاٹ کام)

منصوبہ بند دعوتی، تعلیمی اور ابلاغی عمل ناگزیر ہے

ناگزیر ہے کہ داعیوں کی ایک ایسی جمعیت میدان میں اترے جو ایک منصوبہ بند دعوتی، تعلیمی وابلاغی عمل کے ذریعے سے ماحول کے اندر کچھ نئے زوردار لہجے تشکیل کر کے دے اور اس کے ساتھ ساتھ پھر سماجی عمل کی طرف رخ کرے۔ البتہ سب سے پہلے مرحلے کے طور پر وہ کھڑے پانی میں یہاں ایک ارتعاش پیدا کر کے دے تا کہ یہاں کے تحریکی عمل کی وہ کھوئی ہوئی نبض بحال ہو اور کم از کم یہ حالیہ خوفناک جمود ایک بار ٹوٹے۔ راستہ بنا کر دینا ایک وسیع باب ہے اور بلاشبہ اس کی متعدد جہتیں اور مرحلے ہیں البتہ اِس کا آغاز یہی ہو سکتا ہے کہ عقیدے سے پھوٹنے والا ایک زوردار آہنگ سامنے لایا جائے۔ عقیدے کے آہنگ کو بلند کرنے والے داعیوں کی ایک ایسی جمعیت کا وجود میں لایا جانا یہاں ناممکنات میں سے نہیں۔ کچھ داعی طبقے اِس پر سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو عمل کی بہت سی راہیں یقیناً ان پر آشکارا ہو سکتی ہیں۔ بے شک یہ داعی اپنا اپنا انداز اور اسلوب برقرار رکھیں لیکن اگر اُس وژن پر جو ہمارے اِس مضمون میں پیش کیا گیا ان کا ایک عمومی اتفاق ہو جاتا ہے تو اِس کے کئی ایک عملی تقاضوں کی بابت تعاون اور اشتراک کی راہوں پر غور وخوض کرنا خود بخود ان کی اور ہم سب کی ایک ضرورت بنے گا۔

ہماری حالت پر کفر بھی خندہ زن ہے

یہ کفر جو تیزی کے ساتھ ہمارے چاروں طرف اپنے پر پھیلا رہا ہے اور میدان اس قدر خالی دیکھ کر شاید تعجب بھی کرتا ہو کہ یہ وہی اذانوں کا دیس ہے جس کی طرف کبھی رخ کرنے کا بھی نہ سوچا جا سکتا تھا لیکن آج اس کی پذیرائی کے لیے یہاں ذہن ہی نہیں دل کھول کر رکھ دیے گئے ہیں اور دور دور تک مزاحمت کا نام نہیں۔ وقت کے داعی اِس کفر کو اِن اذانوں اور تکبیروں ہی کی زد میں لے آئیں تو اتنی بڑی امت کے آگے کفر کی یہ پیش قدمی اس قدر کامیاب کیسے رہ سکتی ہے؟ مگر اِسلام کے داعی، اسلام کے بنیادی ترین عقیدے کے ساتھ اِس کا تصادم تو پہلے واضح کریں۔ لا الــه الا اللــه کے ساتھ اِس کا واضح تعارض تو نمایاں کریں البتہ وقت کے نمازیوں اور عبادت گزاروں کو اگر اِس کفر کی نشاندہی کر کے ہی نہیں دی جاتی۔ خدا کے ساتھ اُن کی وابستگی اور وفاداری کے لیے اِس سے براءت وبے زاری کو ایک سوالیہ نشان بنا کر اور اِس کو ایمان اور اعتقاد کے ایک مسئلے کے طور پر ہی ان کے سامنے نہیں لایا جاتا۔ غرض دعوت کے موضوعات میں سے یہ کوئی موضوع ہی نہیں اور تعلیم میں محنت کا یہ کوئی محور ہی نہیں اور ابلاغ میں اِس پر ہمارا زور ہی نہیں تو پھر گلہ کیسا......؟ پھر کیا تعجب......؟ پھر شکوہ کیوں......؟ جو صورت حال جوں کی توں جاری رہے اور ہم کفر کی اِس روز بروز پیش قدمی پر بس کڑھتے رہیں۔ کفر کا ایجنڈا معاشرے میں روز کچھ آگے سرک آئے اور ہم روتے دھوتے اس کو اتنا آگے آتا دیکھ کر روز کچھ پیچھے سرک جاتے رہیں۔ آخر کہاں تک؟ غور تو کیجیے معاملہ کہاں پہنچ چکا ہے۔

(اقتباس: ڈبلیو ڈبلیو ایقاظ ڈاٹ کام)

قرآن امن عالم کا محافظ

از: محمد فرحت حسین خوشدلؔ

و الله لایحب الفساد (البقرہ/۲۰۵) اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اس نفسِ مضمون پر قرآنِ حکیم کی کئی آیات آپ کو دورانِ مطالعہ ملیں گی۔

عصرِ حاضر میں پورا عالم امن وامان حاصل کرنے کی سعیِ لاحاصل میں مگن ہے۔ اس میں ذرہ برابر شک وشبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ امن کی ضرورت اور اہمیت کو دنیا کی تمام اقوام محسوس کرتی ہیں اور اس کے قائم کرنے کے لیے حتی الامکان تگ ودو کر رہی ہیں۔ آج کے اس سائنٹفک دور میں جہاں Atomic Energy نے اپنے ارتقائی سفر میں کمالِ عروج حاصل کیا ہے اور یہ ارتقائی سفر روز افزوں ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔ اگر اس کے مسرت رساں نتائج وفوائد کے بر عکس اس کے مضرت رساں نتائج ونقصانات کے درمیان حدِ فاصل نہ قائم کی گئی تو یقیناً امنِ عالم کو وہ خطرہ پیش آنے والا ہے جس کی طرف قرآنِ حکیم میں واضح اشارہ کر دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔ (الروم/۴۰)

امنِ عالم کے لیے اقوامِ متحدہ کا وجود میں آنا، اقوامِ متحدہ میں سلامتی کونسل کے ایک شعبۂ خاص کا قیام جس کا بنیادی مقصد دنیا میں امن وامان قائم کرنا ہے۔ آج تمام ممالک کے بجٹ کا ایک سرسری مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر ملک اپنی حفاظت کے لیے نصف حصے سے زیادہ کا جنگی ساز وسامان خریدنے اور بنانے میں خرچ کر رہا ہے۔ اس کے باوجود اسے اپنی سلامتی خطرے میں نظر آرہی ہے۔ آج ہر ملک غریب ہو یا امیر طاقتور ہو یا کمزور اپنے شہریوں کو امن وامان کی گارنٹی دینے سے قاصر ہے۔ امریکہ جیسے طاقتور اور خودسر ملک کے لوگ بھی ڈرے ڈرے اور سہمے سہمے نظر آرہے ہیں۔ اس کی وجہ آخر ہے تو کیا ہے؟ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو ہمیں دعوتِ فکر وعمل دیتا ہے کہ امن عالم کیسے قائم کیا جائے؟ وہ کون سا نکتہ ہے جس کی طرف ہمیں نگاہ ڈالنی چاہیے۔ دنیا نے ہر نسخہ ہر طریقہ اپنایا لیکن امن وسکون کا دور دور تک نہ تو کوئی پتہ ہے نہ دنیا کے پاس کوئی لائحۂ عمل ہے۔ امن کا محافظ امن وامان کا داعی اگر صحیح معنی میں کوئی ہے تو وہ صرف قرآن ہے۔

اسلام جس کی بنیادی اساس کلام الٰہی ہے۔ شروع سے آخر تک یہ امن وسلامتی کا دین ہے۔ اسلام کا اصلی معنی سلامتی کے ہیں۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے امن وامان کی جو حالت تھی اور دنیائے انسانی ظلم وستم سے جب کراہ رہی تھی۔ انسانیت قعرِ مذلت میں دھنس چکی تھی، شاہانہ ظلم وستم سے بے بس اور بے کس انسانوں پر ظلم ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ عرب کی سرزمین بھی جنگ وفساد کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ قرآنِ حکیم کی روشنی میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیائے انسانیت کو زندگی کے صحیح انداز بتائے اور اس پر عمل کر کے روتی اور بلکتی انسانیت کو اس کا صحیح مقام عطا کرنے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ سنہرے لفظوں سے لکھے جانے کا مستحق ہے۔

سورۂ مائدہ کا آپ مطالعہ کریں اور اس کی ۳۲/ویں آیت پر ذرا ایک نظر ڈالیں: جس (شخص) نے کسی شخص کو کسی جان یا فساد کے بدلے کے بغیر جو اس کی وجہ سے زمین میں پھیلا ہو، قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی شخص کو بچالیا تو گویا اس نے ان تمام آدمیوں کو بچالیا۔ (المائدہ/۳۲)

امنِ عالم کی محافظت کا جو بنیادی نکتہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں پوشیدہ ہے وہ غور طلب بھی ہے اور قابلِ عمل بھی ہے۔ فتنہ وفساد، بدامنی اور دہشت گردی کی جتنی مذمت قرآنِ حکیم نے کی ہے اور اس کے مضر اثرات سے معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لیے جو طریقہ کار اپنانے کی تلقین کی ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امن وامان تمام عالم میں قائم ہوگا۔

دہشت گردی اور فتنہ وفساد پر قرآنِ حکیم کی ہدایت ملاحظہ ہو:
الفتنة اشد من القتل ۔ شرارت قتل سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے۔

(البقرہ/۱۹۱)الفتنة اکبر من القتل فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ (البقرہ/۲۱۷) مذکورہ بالا دونوں آیاتِ کریمہ سے قتل وفتنہ دونوں کے مضراثرات سے تمام انسانوں کو متنبہ کیا گیا ہے لیکن قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم فتنے کو قرار دیا گیا۔ جو افراد معاشرتی امن وامان کو زیروزبر کرنے اور فساد برپا کرنے کے درپے ہیں ان کے اس فعل کو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ کو ذہن میں رکھیے کہ جس چیز کو اللہ ناپسند فرماتا ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔

ان اللہ لایحب المفسدین یعنی اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (القصص/۷۷) دوسری جگہ ارشاد باری ہے: واللہ لایحب الفساد اوراللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ/۲۰۵)

ان دونوں آیاتِ کریمہ پرغور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ فساد کا بنیادی سبب ظلم اور زیادتی ہے یہ ایسا مرضِ مہلک ہے جو قوموں کو تباہ وبرباد کرتا ہے۔ قرآن نے اس مرضِ مہلک کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے ایک خاص اصول وضابطہ عالمِ انسانیت کے سامنے رکھا۔ مرض اور مریض دونوں پر قرآن کی نظر ہے۔ قرآن مرض کی تشخیص کا حکم پہلے دیتے ہوئے ان بنیادی اور اساسی عوامل کی بیخ کنی کرتا ہے جس کی وجہ سے فتنہ وفساد اور بدامنی کا ہمیشہ اندیشہ لاحق رہتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں متعدد جگہ اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ولاتعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (البقرہ/۱۹۰)

آج امنِ عالم کو جس طرح تہہ وبالا کیا جارہا ہے اس پر انصاف پسند لوگوں کی نظر ہے کچھ خاموش، کچھ ڈرے ہوئے تو کچھ دنیاوی منفعت کی خاطر ڈرے سہمے ہیں۔ امنِ عالم کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ وہ طاغوتی طاقتیں ہیں جو اپنے جوروا ستبداد اور استحصالی نظام کو قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ قرآنِ کریم نے وضاحت کے ساتھ یہ حکم صادر فرمادیا: ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ زمین پر امن قائم ہوچکنے کے بعد اس میں فساد نہ مچاؤ۔ (الاعراف/۵۵)

آج کے تناظر میں سب سے بڑی رکاوٹ امنِ عالم کے راستے میں قبائلی تعصب اور برادری کے ساتھ ساتھ جہالت ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص ناحق طور پر اپنی قوم کی حمایت کرے وہ اس اونٹ کی مانند ہے جو کنوئیں میں گر پڑے اور دم سے پکڑ کر باہر نکالا جائے۔ (حدیث شریف) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ سارے عالم کے لیے اس ضمن میں کافی مشہور ہے جب ایک کلمہ گو اور ایک یہودی کے درمیان تنازع کا فیصلہ دربارِ نبی سے ہوا۔ فیصلہ داعیِ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں دیا۔ اس کلمہ گو نے اس یہودی کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھنا چاہتا ہے۔ اس معاملے کا جو انجام ہوا اسے تاریخ کے اوراق میں محفوظ کرلیا گیا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے درس عبرت بنا کر پیش کردیا گیا ہے۔

ابوداؤد کی ایک حدیث کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے راوی ہیں: تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنی قوم کی جانب سے ظلم کی مدافعت کرے جب وہ گناہ کا مرتکب نہ ہو۔

فتنہ وفساد کے پیش نظر مذہبِ اسلام نے عام لوگوں کی سرِ عام تلواروں کی نمائش سے بھی روکا۔ اگر بحالت مجبوری ایسی نوبت آجائے تو اس بات کی تلقین کی کہ احتیاط کو اس طرح پیش نظر رکھو کہ تلوار کی نوک تک سے بھی کسی کو غیر ارادی طور پر نقصان نہ پہنچے۔ یہی وہ بنیادی اصول ہے جس کی طرف داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی خطرناک صورتِ حال میں بھی اپنے مجاہدین کو اس بات کی تلقین کی کہ کسی صورت میں بھی امن وامان کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ انہوں نے اس بات کی شدت سے تاکید فرمائی: ۱۔ لاشوں کا مثلہ نہ کیا جائے۔ ۲۔ عورتوں اور بچے قتل نہ کیے جائیں۔ ۳۔ دوسری قوم کی عبادت گاہیں تباہ نہ کی جائیں۔ ۴۔ دوسری قوم کے مذہبی پیشواؤں کو قتل یا تنگ نہ کیا جائے۔ ۵۔ آبادیاں برباد نہ کی جائیں۔ فصلیں برباد نہ کی جائیں، جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے اور نہ پھل دار درخت کاٹے جائیں۔ ۶۔ اگر کوئی دشمن سے کوئی عہد باندھا جائے تو اس وقت تک اس عہد کی خلاف ورزی نہ کی جائے جب تک دشمن خود اسے توڑنے کا اعلان نہ کردے۔ اگر وہ لوگ اطاعت قبول کرلیں تو ان پر ہاتھ تک نہ اٹھایا جائے۔

مذکورہ بالا تمام ارشادات کو عمل میں لایا گیا جس کی شہادت کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ آج دنیا کے بیشتر ممالک دہشت گردی کے ہاتھوں تباہی وبربادی کے دہانے پر ہیں۔ روز نئے طریقے سے دانشوران سوچ رہے ہیں۔ عالمی امن کے نام پر اقوامِ متحدہ کے

ساتھ ساتھ دوسرے بہت سارے ازم میں پناہ تلاش کرنے والے لوگ تھک کر مایوس ہوگئے ہیں۔ آج انسانیت بسترِ مرگ پر کراہ رہی ہے۔ اس تباہی و بربادی سے بچنے کے لیے اس کا علاج ڈھونڈ رہی ہے۔ امریکہ اور اس کے مداح دہشت گردی اور بدامنی کے خاتمے کے لیے مرض کے بجائے مریض کو ختم کرنے پر اپنی بے پناہ صلاحیت صرف کررہے ہیں لیکن مرض ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مریض ختم ہوجاتا ہے مرض ختم نہیں ہوتا۔ اس دہشت گردی اور بدامنی کو جڑ سے ختم کیا جائے اس کے لیے سوچا جارہا ہے۔ یہ نہیں سوچا جارہا ہے کہ آخر یہ دہشت گردی روز بروز کم ہونے کی بجائے بڑھتی کیوں جارہی ہے؟ اس کے اسباب وعوام پر لوگوں کی نظر اب تک تو پڑ جانی چاہیے تھی۔ غالب کا یہ شعر ذہن میں آتا ہے:

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اگر اس کا دائمی علاج ڈھونڈنا چاہتے ہیں تو قرآن کے دامن میں پناہ لیں۔ قرآن ہی امنِ عالم کا محافظ ہے۔ قرآن ہی تمام عالم کی رہ نمائی کا وہ بے مثل خزینہ ہے جس کے پاس ہر مرض کا بہترین علاج ہے۔ داعیِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: تم اہلِ زمین پر رحم کرو اللہ تعالیٰ جو آسمانوں کا مالک ہے تم پر رحم کرے گا۔

بدامنی اور فساد کے پھیلنے کی جو خاص وجہ ہے وہ یہ کہ جب ہم کسی کے حقوق کو اپنی طاغوتی طاقت کے بل بوتے پر چھینتے ہیں تو امن و امان غارت ہوتا ہے۔ قرآن جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ایمان لانے والوں کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ تم کسی بھی حالت میں کسی کی حق تلفی نہ کرو۔ وہ نہ صرف انسانی حقوق کی تلقین کرتا ہے بلکہ ہر مخلوق کے حقوق کی حق تلفی سے منع فرماتا ہے۔ قرآن پر عمل کرکے ہم انسانی معاشرے میں امن وسکون اور زندگی کے ہر موڑ پر توازن برقرار رکھ کر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ قرآن تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے ربِ کائنات کا وہ بے مثل تحفہ ہے جس کی افادیت سے ہر شخص بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کی کتاب نہیں۔ اللہ پوری کائنات کا خالق ہے ہر وہ مخلوق اللہ کی نظر میں محبوب ہے جو اس کے احکام کی پیروی پر کاربند ہے۔ قرآن نے تمام انسانوں کے لیے جس خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو نمونۂ کامل بتایا ہے اس عظیم شخصیت کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کی شخصیت قیامت تک پوری دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اس مقولے نے آج کمزور قوموں اور چھوٹے ملکوں میں بسنے والے افراد کو بین الاقوامی سطح پر جس طرح بے کسی اور لاچاری کی زندگی جینے پر مجبور کردیا ہے اس سے آج کا پورا معاشرہ کراہ رہا ہے۔ ان تمام مسائل کا جب آپ حل ڈھونڈنے کی سعی کریں گے تو لامحالہ اسلام کے دامنِ امن وسلامتی میں آپ کو پناہ ملے گی جو سرتاپا امن کی تعلیم دیتا ہے۔

آیئے اس امین وصادق صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول آپ کے سامنے پیش کروں جہاں سب کے لیے انصاف، سب کے لیے امن و بھائی چارگی، سب کے لے مساوات کا نہ صرف زبانی دعویٰ ہے بلکہ تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں کہ یہی وہ عظیم الشان شخصیت ہے جس نے جو کیا اس پر عمل کرکے دکھادیا: **لا یومن احدکم یحب لاخیہ مایحب لنفسہ**۔ تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔ (بخاری: ج۱، ص۲۸) اس قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالیے اور تاریخ کے اوراق کھنگالیے تو معلوم ہوجائے گا کہ امتِ مسلمہ نے ماضی میں وہ سنہرے کارنامے انجام دیے ہیں جن کی بدولت اسلام میں لوگ اس کے فطری دین ہونے کی بنیاد پر جوق درجوق داخل ہوتے گئے۔

قرآن کے دامن میں امن وامان ہے اس کا بین ثبوت آپ کو قرآن کے مطالعے سے منکشف ہوتا چلا جائے گا۔ شرط بس یہ ہے کہ آپ انصاف پسندی کو اپنا شعار بنالیں۔ صبر وضبط، حلم وبردباری سے اگر کام لیا جائے تو دشمنی دوستی کی جگہ لے لیتی ہے۔ ارشادِ قرآنی پر ذرا ایک نظر ڈالیے: اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں تم بدی کو نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھوگے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا۔ (حم السجدہ ۳۴)

ساری دنیا نے اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھا کہ ۲۳ سال کی قلیل مدت میں وہ لوگ جنہوں نے آپ پر ایک نہیں سینکڑوں ظلم وستم کیے لیکن اس عظیم ہستی جسے دنیائے انسانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جانتی ہے مانتی بھی ہے، نے زندگی کے ہر ہر موڑ اور ہر ہر مرحلے پر قیامِ امن کے لیے جو بے مثل کارنامے سرانجام دیے ان سے رہتی دنیا تک انسانیت استفادہ اور روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے جب فتحِ مکہ کے روز یہ

صدا لگائی گئی کہ **الیوم یوم الملحمہ** آج کا دن قتل وغارت کا دن ہے تو امنِ عالم کے نصیب رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ نے غلط کہا: آپ نے اعلان کیا: **الیوم یوم المرحمہ** آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: **من دخل دار ابی سفیان فھوا من** جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کے لیے امن ہے۔ ابوسفیان عرض گزار ہوا کہ میرے گھر میں کتنے لوگ سما سکیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حکیم بن حرام کے گھر میں داخل ہوگا اسے بھی امان ہے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو مسجد میں داخل ہو گیا اس کے لیے بھی امان ہے جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو بھی امان ہے۔ ابوسفیان کا یہ جملہ بھی تاریخ میں محفوظ ہے کہ **ھذہ واسعة** اس اعلان میں بڑی وسعت ہے۔

امن وسلامتی کے امین، رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت وحکمت پر مبنی ان اعلانات نے جو امن وراحت کی لازوال دولت عطا فرمائی آپ آدم سے لے کر ایں دم تک تاریخ انسانی کے اوراق کو پلٹتے جایئے آج تک دنیا اس طرح کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور رہتی دنیا تک اس کی نظیر ملنی ممکن نہیں۔ دنیا کے کسی بھی مذہب کا منشور اٹھا کر دیکھ لیجیے اس کی تعلیمات میں وہ جامعیت نہ ملے گی جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات میں ہے۔

فتحِ مکہ کے موقع پر آپ کا وہ تاریخی خطبہ دنیا کے تمام فاتحین کے لیے رشد وہدایت کا ایسا دائمی درس ہے جس سے امن وسلامتی کی متلاشی دنیا آج بھی فیضیاب ہو سکتی ہے اور کل بھی۔ صلحِ حدیبیہ پر آپ نظر ڈالیے اور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ کی دور رس نگاہوں کو ذہن میں رکھیے تو معلوم ہوگا کہ فتحِ مکہ کی بشارت صلحِ حدیبیہ میں پوشیدہ تھی۔ فتحِ مکہ کے روز اسلامی حکومت کی اساس رکھی گئی آزادی اور رواداری کا انمول اور عظیم چارٹر تیار کیا گیا جو عدل وانصاف، مساواتِ انسانیت اور احکامِ قرآنی پر مبنی تھا۔ اس روز اللہ کے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر امنِ عالم اور بنیادی انسانی حقوق کو رہتی دنیا تک قائم رکھنے کے لیے جو تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمایا وہ لائقِ تحسین بھی ہے اور لائقِ عمل بھی۔ آپ نے فرمایا: اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانۂ جاہلیت کی رعونت اور اپنے آبا واجداد کے ساتھ تفاخر کو دور کر دیا ہے۔ سارے لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا تھا۔ پھر قرآنِ حکیم کی یہ آیتیں تلاوت فرمائی: اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور بنایا ہے تمہیں مختلف قومیں اور خاندان تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں اللہ تعالیٰ تمہارے سارے گناہوں کو معاف فرمائے اور وہ سب سے رحم فرمانے والا ہے۔ جاؤ چلے جاؤ میری طرف سے تم سب آزاد ہو۔

امن واخوت کا یہ عظیم منشور ساری دنیا کے انسانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ تمام انسانوں کے حقوق برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ قرآن اور اسلام کی اصل روح تقویٰ ہے جو انسانوں کو انفرادی حیثیت میں اور معاشرے کو اس کی اجتماعی حیثیت میں گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ قرآنِ کریم جس جس طرح عقائدِ باطلہ اور اعمالِ فاسدہ کی درستگی کے لیے انقلابی لائحۂ عمل لے کر آیا۔ اسی طرح اصلاحِ نفس اور تہذیب واخلاق کے ساتھ امنِ عالم کے قیام کے لیے بھی ایک ایسا مؤثر ضابطۂ نظام اپنے دامن میں رکھتا ہے کہ جس کے ذریعے ظلم وزیادتی کی بیخ کنی ہوتی ہے۔

(صفحہ ۱۴۱ کا بقیہ) (ترجمہ) **یا رسول اللہ!** آپ ہماری امید تھے آپ ہمارے محسن تھے ظالم نہ تھے۔ آپ رحیم تھے، ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے۔ آج ہر رونے والے کو آپ پر رونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری ماں، خالہ، چچا اور ماموں قربان ہوں پھر میں خود اور میرا مال بھی۔ کاش اللہ ہمارے آقا کو ہمارے درمیان رکھتا تو ہم کیسے خوش قسمت تھے لیکن حکمِ الٰہی اٹل ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اللہ کا سلام ہو اور آپ جنّات عدن میں داخل ہوں۔

ایک اور مرثیہ کا مطلع ہے: اے آنکھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات پر خوب آنسو بہا۔

حضرت صفیہ کی وفات: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ برس تھی۔ آخری آرامگاہ قبرستانِ بقیع میں ہے۔

اسلام کی پہلی بہادر خاتون

عمۃ النبی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

از: طوبیٰ صادق

شیر دل خاتون: غزوۂ احزاب (سنہ ۵/ہجری) میں سارے عرب کے مشرکین اور یہود نے متحد ہو کر مرکزِ اسلام پر یلغار کر دی تھی اور خاص مدینہ منورہ کے اندر یہودِ بنو قریظہ غداری کر کے اہلِ حق کی جانوں کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑی آزمائش تھی لیکن آفریں اللہ کے ان پاک باز بندوں پر کہ کیا مجال ایک لمحے کے لیے بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش آئی ہو۔ انہوں نے تو اپنی جانیں اور مال راہِ حق میں بیچ دیے تھے اور زندگی کی آخری سانس تک کفر و شرک کے طوفانوں سے ٹکرانے کا تہیہ کر رکھا تھا تاہم عورتوں اور بچوں کو گھر کے دشمنوں، یہودِ بنو قریظہ کی دست درازیوں اور شر سے بچانا ضروری تھا چنانچہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام مسلمان خواتین اور بچوں کو بنظرِ احتیاط انصار کے ایک قلعہ فارع یا اطم میں منتقل کر دیا اور حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ (شاعرِ رسول) کو ان کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ قلعہ اگرچہ خاصا مضبوط تھا لیکن پھر بھی یہ انتظام خطرے سے یکسر خالی نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ جہاد میں مشغول تھے اور بنو قریظہ کے محلّے اور اس قلعے کے درمیان کوئی فوجی دستہ موجود نہ تھا۔ انہیں پُر آشوب ایام میں ایک دن ایک یہودی اس طرف آ نکلا اور قلعے میں موجود لوگوں کی سن گُن لینے لگا۔ حسنِ اتفاق سے ایک بوڑھی لیکن صحت مند خاتون نے اس یہودی کو دیکھ لیا وہ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئیں کہ یہ شخص جاسوس ہے۔ اگر اس نے بنو قریظہ کے شریر النفس لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ قلعے میں صرف عورتیں اور بچے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ میدان خالی دیکھ کر وہ قلعے پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے نگرانِ قلعہ حضرت حسّان بن ثابت سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔ حضرت حسّان نے عذر کیا۔ اس کا سبب اہلِ سیر کے نزدیک ان کی جسمانی یا قلبی کمزوری تھی جو کسی مرض میں مبتلا رہنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ جواب دیا: میں اس یہودی سے لڑنے کے قابل ہوتا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتا؟

وہ خاتون حضرت حسّان کا جواب سن کر فوراً اٹھیں، خیمے کی ایک چوب اکھاڑی اور قلعے سے باہر آئیں اور اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ یہودی کو قتل کرنے کے بعد انہوں نے حضرت حسّان سے کہا کہ جا کر اس کا سر کاٹ لاؤ۔ انہوں نے اس میں بھی عذر کیا تو بہادر خاتون نے خود ہی اس کا سر کاٹ کر قلعے سے نیچے پھینک دیا۔ یہودِ بنی قریظہ کو کٹا ہوا سر دیکھ کر یقین ہو گیا کہ قلعے کے اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے چنانچہ انہیں قلعے پر حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ علامہ ابن اثیر جزری کا بیان ہے کہ پھر اس خاتون نے حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب جا کر مقتول یہودی کا سامان اتار لو۔ وہ بولے مجھے اس کی خواہش نہیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔ چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ یہ شیر دل خاتون جن کی شجاعت اور بے خوفی نے ایک بڑا خطرہ ٹال دیا اور تمام مسلمان عورتوں اور بچوں کو یہودیوں کے دستِ ستم سے بچایا بنو ہاشم کی چشم و چراغ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی جان حضرت صفیہ تھیں۔

حضرت صفیہ کی فضیلت: حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطّلب رضی اللہ عنہا کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ ہالہ بنتِ وہیب (یا اہیب) بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ کے بطن سے تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنتِ وہب بن عبد مناف کی چچا زاد بہن تھیں۔ اس رشتے سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ زاد بہن بھی ہوتی تھیں۔ شیرِ خدا حضرت حمزہ شہیدِ اُحد ان کے حقیقی بھائی تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ، عبدالمطّلب کی ایک دوسری بیوی فاطمہ بنتِ عمرو کے بطن سے تھے۔ اس رشتے سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اس لیے انہیں عمّۃ النبی کہا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

دوسری پھوپھیوں میں امِّ حکیم، بیضا، عاتکہ، برّہ اور اروٰی کے اسلام کے بارے میں اہلِ سیر کا اختلاف ہے لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن اثیر نے اسدُ الغابہ میں لکھا ہے والصحیح انہ لم یسلم غیرھا صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی پھوپھی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اگر چہ ابن سعد اور حافظ ابن قیم نے عاتکہ اور اروٰی کو بھی اسلام لانے والی خواتین میں شامل کیا ہے لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہ شرف پھر بھی باقی رہتا ہے کہ وہ دعوتِ حق کے آغاز ہی میں سعادت اندوز ہو گئیں اور سابقون الاوّلون کی اس مقدس جماعت میں شمار ہوئیں جس کو اللہ تعالیٰ نے جنّت کی بشارت دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ولادت کے زمانے میں بہت تھوڑا فرق ہے اس لیے وہ قریب قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سن تھیں۔

حضرت صفیہ کا قبولِ اسلام: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حارث بن حرب اُمَوی سے ہوا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے انتقال کے بعد عوّام بن خویلد قرشی الاسدی کے عقدِ نکاح میں آئیں جو امّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔ حوارئ رسول حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان ہی عوّام سے پیدا ہوئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ابھی کم سن ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بالکل جوان تھیں لیکن اس کے بعد انہوں نے ساری زندگی بیوگی کے عالم میں کاٹ دی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بلا تامّل اسلام قبول کر لیا اور ان کے ساتھ ہی ان کے سولہ سالہ فرزند حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

حضرت صفیہ کا طریقِ تربیت: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تربیت نہایت عمدہ طریقے سے کی۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا فرزند بڑا ہو کر ایک نڈر سپاہی بنے چنانچہ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سخت محنت و مشقت لیتیں اور وقتاً فوقتاً زجر و توبیخ اور زد و کوب سے بھی گریز نہ کرتیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے چچا نوفل بن خویلد ایک دن بھتیجے کو ماں کے ہاتھوں پٹتے دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو سختی سے ڈانٹا کہ اس طرح تو تم بچے کو مار ڈالو گی۔ نوفل نے بنو ہاشم اور اپنے قبیلے کے بعض دوسرے لوگوں سے بھی کہا کہ وہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بچے پر سختی کرنے سے روکیں۔ جب ان کی سخت گیری کا چرچا عام ہوا تو انہوں نے لوگوں کے سامنے یہ رجز پڑھا۔

مَنْ قَالَ اِنِّی اَبْغَضُہٗ فَقَدْ کَذَبَ. اِنَّمَا اَضْرِبُہٗ لِکَیْ یَلُبَّ
(ترجمہ) جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیر) سے بغض رکھتی ہوں اس نے غلط کہا میں اس کو اس لیے پیٹتی ہوں کہ عقل مند ہو۔

وَیَھْزَمُ الجیُشَ وَیَاتِی السَّلَبَ (ترجمہ) اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت جمع کرے۔

حضرت صفیہ کے بیٹے حضرت زبیر کی جان نثاری: حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو لڑکپن میں ایک جوان اور قوی آدمی سے مقابلہ پیش آ گیا انہوں نے ایسی ضرب لگائی کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی تو انہوں نے معذرت کے بجائے لوگوں سے سوال کیا: تم نے زبیر کو بہادری میں کیسا پایا بہادر یا بزدل؟ غرض ماں کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بڑے ہو کر ایک دلاور، صف شکن اور ضیغمِ شجاعت بنے۔ مبدأ فیض نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یوں بھی فطرتِ سعید سے نوازا تھا ماں کی تربیت نے ان کی خوبیوں کو اور بھی چمکا دیا اور ان کے دل میں اسلام اور داعیِ اسلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زبیر کی والہانہ شیفتگی کا عجب عالم تھا بعثت کے ابتدائی زمانے میں ایک دن جب یہ افواہ سنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیبِ دشمناں مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے یا شہید کر دیا ہے تو ایسے بے قرار ہوئے کہ آؤ دیکھا نا تاؤ تلوار سونت کر برق رفتاری سے آستانۂ نبوی پر پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیریت پایا تو جان میں جان آئی اور چہرہ فرطِ بشاشت سے گلنار ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شمشیر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: زبیر یہ کیا ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان میں نے سنا تھا کہ آپ کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے یا شاید آپ شہید کر دیے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ عرض کیا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں اہلِ مکّہ سے لڑ مرتا۔

حضرت صفیہ: صدیق اکبر کی سدھن: ایک موقع پر حضرت صفیہ

رضی اللہ عنہا کو اپنے لختِ جگر کی عارضی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا قبولِ اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح زبیر رضی اللہ عنہ بھی کفّار کے جور وستم کا ہدف بن گئے بالخصوص ان کا چچا نوفل بن خویلد ان پر بڑا ظلم وستم ڈھاتا تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایما پر پندرہ بلا کشانِ اسلام کا ایک قافلہ حبش کی طرف ہجرت کر گیا اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ماں پر ان کی جدائی سخت شاق تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایما اور بیٹے کی سلامتی کے خیال سے انہوں نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ فرزند کو کالے کوسوں دور بھیج دیا۔ ان مہاجرینِ راہِ حق کو حبش میں ابھی تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انہوں نے ایک دل خوش کن خبر یہ سنی کہ مشرکینِ مکّہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ (ایک دوسری روایت کے مطابق) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مصالحت ہوگئی ہے۔ چنانچہ سب (یا ان میں سے اکثر) مہاجرین مکہ واپس آ گئے ان میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط تھی چنانچہ واپس آنے والے سب ہی حضرات قریش کے کسی نہ کسی سردار کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔ علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ حضرت زبیر بن عوام نے زمعہ بن الاسود کی پناہ حاصل کی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے لختِ جگر سے مل کر بہت خوش ہوئیں اور ان کے یوں اچانک خیریت سے سے واپس آ جانے پر سجدۂ شکر بجالائیں۔ مکہ میں کچھ عرصے قیام کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تجارت کا شغل اختیار کر لیا اور تجارتی قافلوں کے ساتھ شام آنے جانے لگے۔ اسی زمانے میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت اسما بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا سے کر دی۔ یوں وہ حضرت صدیقِ اکبر کی سمدھن بن گئیں۔

حضرت صفیہ کی، بیٹے کے ساتھ مدینہ شریف ہجرت: اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینے کو ہجرت کی۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر عازمِ مدینہ ہوئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے۔ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند سفید کپڑے تحفۃً پیش کیے اور وہ یہی سفید کپڑے زیب تن فرما کر مدینے میں داخل ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبیر رضی اللہ عنہ سے ملے جو تاجر مسلمانوں کے ایک قافلے کے ساتھ شام سے پلٹ رہے تھے۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑے پہنائے۔ (صحیح بخاری: کتاب المناقب، باب ہجرۃ النبی)

مکہ واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اہلیہ حضرت اسما بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کے ہم راہ مدینے کی طرف ہجرت کی اور کچھ مدت قبا میں قیام پذیر رہے۔ وہیں سنہ ۱ ہجری میں (اور ایک دوسری روایت کے مطابق سنہ ۲ ہجری میں) حضرت اسما رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

حضرت صفیہ کی ایک اور فضیلت: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اس پوتے کی ولادت تاریخِ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اس لیے کہ ان کی ولادت سے پہلے کئی ماہ تک کسی مہاجر کے یہاں اولاد نہیں ہوئی تھی اور یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بے حد مسرّت ہوئی اور انہوں نے جوشِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت وجبل گونج اٹھے۔ یہ حضرت صفیہ کی ایک اور فضیلت تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے پوتے کی شکل میں انہیں عطا فرمائی تھی جس سے کافروں کے منہ بند ہو گئے۔ مدینۂ منورہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتی تھیں اور وہ ان کی دل وجان سے خدمت کیا کرتے تھے۔

حضرت صفیہ کی غیرتِ ایمانی اور صبر وتحمّل: غزوہ اُحد (سنہ ۳ ہجری) میں جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہاتھ میں نیزہ لے کر نکلیں۔ جو لوگ میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر مدینے کی طرف آ رہے تھے ان کو شرم اور غیرت دلاتی تھیں اور نہایت غصے سے فرماتی

تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیے؟ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو میدانِ جنگ کی طرف آتے دیکھا تو ان کے ثابت قدم فرزند حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پاس بلا کر ارشاد فرمایا: صفیہ اپنے بھائی حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں"۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مردانہ وار لڑتے ہوئے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی بن حرب کے برچھے سے شہید ہو گئے تھے۔ ہند بنت عتبہ نے اپنے باپ عتبہ (مقتول بدر) کے جوشِ انتقام میں ان کی نعش کا مُثلہ کیا تھا یعنی ناک اور کان کاٹ ڈالے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سیّد الشہداء کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب اور شجاع بھائی کی لاش کو اس حالت میں دیکھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے مطلع کیا تو وہ اس کا سبب سمجھ گئیں، بولیں: مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی ہے۔ خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں لیکن میں صبر کروں گی اور ان شاء اللہ ضبط سے کام لوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے آگاہ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شہیدِ راہِ حق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہا کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ بادیدۂ پُرنم لاش پر آئیں اور اپنے محبوب بھائی کی کے جسم کے ٹکڑے بکھرے دیکھ کر ایک آہ سرد کھینچی۔ اور اِنَّ لِلّٰہِ وَ اِنَّ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر خاموش ہو گئیں پھر ان کے لیے دعائے مغفرت مانگی اور ان کی تدفین کے لیے دو چادریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے واپس مدینہ چلی گئیں۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ایک پُر درد مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں مخاطب کیا:

اِنَّ یَوْمًا اَتیٰ عَلَیْکَ لَیَوْم کَوَّرَتْ شَمْسُہٗ وَکَانَ مُضِیْئًا

(ترجمہ) آج آپ پر وہ دن آیا ہے کہ آفتاب سیاہ ہو گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ روشن تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا محبوب بھائی کے لیے دعائے مغفرت مانگ کر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار رونے لگیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روتے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے بھی سیل اشک رواں ہو گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: مجھے جبرائیل امین علیہ السلام نے خوش خبری دی ہے کہ عرش معلّٰی پر حمزہ بن عبدالمطّلب کو اسد اللہ اور اسد الرّسول (اللہ کا شیر اور رسول کا شیر) لکھا گیا ہے۔

حضرت صفیہ بحیثیت عظیم شاعرہ: غزوۂ احزاب سنہ۵/ہجری میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جس بے مثال شجاعت اور بے خوفی کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھاون برس کے لگ بھگ تھی۔ اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نہایت زیرک، دوراندیش، شجاع اور صابرہ خاتون تھیں اور تمام عرب میں اپنے حسب ونسب اور قول وفعل کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ملکۂ شاعری بھی عطا کیا تھا۔ سیرت کی بعض کتابوں میں ان کے کہے ہوئے چند مرثیے ملتے ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کے کلام میں نہایت فصاحت و بلاغت تھی۔ اپنے والد عبدالمطّلب کی وفات پر انہوں نے جو مرثیہ کہا اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

(ترجمہ) رات کو ایک نوحہ کرنے والے کی آواز نے مجھے رُلا دیا وہ ایک مردِ کریم پر نوحہ کناں تھی اور اس حال میں میرے آنسو موتیوں کی طرح میرے گالوں پر بہنے لگے۔ افسوس ہے اس مردِ کریم کی موت پر جو بیہودہ نہ تھا اور اس کی بزرگی کا چرچا دور دور تک تھا۔ وہ عالی نسب، صاحبِ جود وسخا اور قحط سالی میں لوگوں کے لیے ابرِ رحمت تھا۔ پس اگر انسان کو اپنی قدیم بزرگی کی وجہ سے دوام ہوتا تو وہ مردِ کریم اپنی قدیم شرافت اور فضیلت کی بنا پر بہت زمانے تک زندہ رہتا۔

حضور کی شان میں حضرت صفیہ کا خراجِ عقیدت

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے، خالہ زاد بھائی اور شوہر کے بہنوئی تھے۔ بچپن میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی گھر میں پرورش پائی تھی اس لیے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت تھی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بڑا تعلقِ خاطر تھا اور حضور ان کے فرزند حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اکثر ابن صفیہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ سنہ۱۱/ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ اس موقع پر انہوں نے جو دردناک مرثیہ کہا اس کے چند اشعار یہ ہیں۔ (بقیہ ص۴۷/پر)

ہم مضمون کیسے لکھیں؟

مضمون لکھنے کے شوقین طلبہ کے لیے خاص تحریر

از: محمد عارف رضا نعمانی

مضمون نگاری کسی بھی زبان وادب کا سب سے اہم حصہ ہوتا ہے۔اس فن کے ذریعے انسان اپنی علمی وادبی، مذہبی وسماجی اور ہر قسم کی معلومات دوسروں تک بآسانی پہنچا سکتا ہے اور مذہبی وملی مسائل میں اپنے خیالات کا بھی اظہار کرسکتا ہے۔اردو زبان میں کچھ لکھنے سے پہلے مضمون نگار کے لیے چند باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مضمون نگار دوسرے مقالہ نگار کی لکھی ہوئی عبارت کو اپنے انداز میں بیان کرنے کی کوشش کرے۔بعینہٖ نقل نہ کرے کہ یہ مضمون گاری نہیں نقالی اور سرقہ ہے اور اگر محض نقل ہی سے کام لینا ہوتو اس کی پوری صراحت کردے۔مضمون لکھنے سے پہلے اس کے موضوع کا انتخاب کرے، دل چسپ اور اچھے موضوع کا انتخاب بھی مضمون کی دل کشی میں اضافہ کرتا ہے۔انشا پردازی دل چسپی اور تفریح کا بھی ایک اچھا ذریعہ ہے کیوں کہ اکثر غم اور پریشانی سے تنگ آکر کسی ایسے دل چسپ مشغلے کی تلاش ہوتی ہے جس سے دل بہل سکے۔ایسے میں اگر اچھا لکھنا جانتا ہے تو اپنے غموں کا اظہار روئے قرطاس پر اچھے اسلوب میں کرسکتا ہے اور کبھی کبھی طنز ومزاح کا عنصر ذہن مین آیا تو اس کا بھی اظہار کرسکتا ہے۔ابتدائی مضمون نگار کو روزنامچہ لکھنے سے کافی مدد مل سکتی ہے کیوں کہ روزنامچہ انسان فطری صلاحیت سے تحریر کرتا ہے اور دن بھر میں جو بھی کام اور سیر وتفریح کرتا ہے اس کو اپنے انداز میں بیان کرتا ہے تو اس کے اندر دوسرے ادیبوں کی تحریر کو بھی اپنے انداز میں تحریر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ابتدائی مضمون نگار کو سب سے پہلے عام اور آسان موضوع مثلاً میرا گاؤں، میرا گھر، میرا مدرسہ، میرا کمرہ وغیرہ پر انشا پردازی کی مشق کرنی چاہیے کیوں کہ یہ ایسے موضوعات ہیں جن کے متعلق مواد ہر وقت ذہن میں آتے رہتے ہیں اور انسان ان سب چیزوں سے متعارف ہوتا ہے۔اسی طرح اگر مقالہ نگار کی تحریر میں تسلسل رہا تو کسی بھی موضوع پر لکھنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ مضمون لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ مطلب مختصر سے مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تا کہ قارئین کے پڑھنے میں کسی طرح کی اکتاہٹ اور پریشانی نہ ہو۔مقالہ نگار کی تحریر قارئین کے مطابق ہونی چاہیے اگر قاری کم پڑھا لکھا ہو تو اس کے لیے آسان زبان استعمال کرنا چاہیے اگر اس سے کچھ اونچے درجے کا ہو تو تحریر بھی اچھی ہونی چاہیے اور اگر قاری عالم، فاضل ہے تو تحریر بھی عالمانہ ہونی چاہیے۔قارئین کے مطابق لکھنا بھی ایک کمال ہے اور اس کمال کو اچھے ادیبوں کی تحریروں کا مطالعہ کر کے اور لکھنے میں تسلسل کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔جہاں تک ہوسکے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ الفاظ آسان ہوں اور جملوں کی ترتیب بھی اچھی ہو تا کہ پڑھنے والے کو اکتاہٹ محسوس نہ ہو۔جب جملے کی ترتیب وترکیب آسان اور دل کش ہو تو قارئین میں پڑھنے کی دل چسپی ہوتی ہے۔

مضمون میں غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے تا کہ مضمون کی سلاست باقی رہے۔اخبارات ورسائل کا مطالعہ کرتے وقت اگر اچھے جملے نظر آئیں جن سے مضمون میں مدد ملنے کا امکان ہو تو وہ نوٹ بک میں لکھ کر محفوظ کر لیے جائیں تا کہ مضمون لکھتے وقت ان سے مدد حاصل کی جاسکے۔مضمون لکھنے سے پہلے دل چسپ موضوع کا انتخاب بہت ضروری ہے۔موضوع دل چسپ ہو تو مضمون بھی قابلِ مطالعہ ہوتا ہے۔مضمون کا خاکہ بھی مرتب کرنا بہت ضروری ہے تا کہ مضمون نگار جس موضوع کے متعلق اظہارِ خیال کرنا چاہے اس کو مناسب طریقے سے ترتیب دے سکے۔مضمون کی تفصیلات اور ترتیب جس طرح چاہیں تحریر کریں لیکن اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ ہر مضمون کے تین اجزا ہوتے ہیں۔یہ بظاہر علاحدہ علاحدہ ہوتے ہیں لیکن مضمون میں ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں۔(۱) آغاز (تمہید) (۲) نفس مضمون (۳) اختتام۔

(۱) آغاز: یہ تمہید کی منزل ہوتی ہے۔مناسب تمہید کے لیے ضروری ہے کہ یہ موضوع سے تعلق رکھتی ہو۔تمہید ایسی ہونی چاہیے جس

میں دلچسپی کا عنصر ہو۔ اس میں غیر ضروری طوالت سے پرہیز کرنا چاہیے تمہید میں صرف ان پہلوؤں کو شامل کرنا چاہیے جن سے موضوع کی جانب رہ نمائی ہوتی ہو اس سے قاری مضمون کو پڑھنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔(۲) نفسِ مضمون: یہ مضمون کا وہ حصہ ہے جس میں عنوان سے متعلق تمام یا معتد بہ باتیں بیان کردی گئی ہوں۔(۳) اختتام: یہ مضمون کا آخری حصہ ہوتا ہے جس میں مضمون کا خلاصہ اور مقصد پیش کیا جاتا ہے۔

مضمون میں اختصار کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے طویل مضامین نہ صرف غیر دل چسپ ہوتے ہیں بلکہ پڑھنے والے گھبرا جاتے ہیں البتہ اتنا بھی اختصار نہ ہو کہ مطلب واضح نہ ہو سکے۔ مضمون میں کسی لفظ کی تکرار نہیں کرنی چاہیے اس سے مضمون خراب ہو جاتا ہے اور لکھنے والے کے سرمایۂ الفاظ کی کمی کا پتا چلتا ہے۔ اگر مذکورہ چیزوں پر عمل کیا گیا تو مضمونِ قابل مطالعہ ہو سکے گا اور اس سے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچے گا جو مضمون نگاری کا اصل مقصد ہے۔

☆☆☆

کمزوری نعمت ثابت ہوئی

مسٹر گاندھی نے اپنی کتاب تلاشِ حق (My Experiments with Truth) میں لکھا ہے کہ وہ پیدائشی طور پر شرمیلے تھے۔ ان کا یہ مزاج بہت عرصے تک باقی رہا۔ جب وہ تعلیم کے لیے لندن میں تھے تو وہ ایک ویجیٹیرین سوسائٹی کے ممبر بن گئے۔ ایک بار انھیں سوسائٹی کی میٹنگ میں تقریر کے لیے کہا گیا۔ وہ کھڑے ہوئے مگر کچھ بول نہ سکے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اپنے خیالات کو کس طرح ظاہر کریں بالآخر وہ شکریے کے چند کلمات کہہ کر بیٹھ گئے۔ ایک اور موقع پر ان کو مدعو کیا گیا کہ وہ سبزی خوری کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کریں۔ اس بار انھوں نے اپنے خیالات ایک کاغذ پر لکھ لیے مگر جب وہ کھڑے ہوئے تو وہ اپنا لکھا ہوا بھی نہ پڑھ سکے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ایک شخص نے مدد کی اور ان کی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ کر سنایا۔

مسٹر گاندھی نے وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد بمبئی میں پریکٹس شروع کی مگر یہاں بھی ان کا شرمیلا پن ان کے لیے رکاوٹ بن گیا۔ پہلا کیس لے کر جب وہ جج کے سامنے کھڑے ہوئے تو حال یہ ہوا کہ ان کا دل بیٹھنے لگا اور وہ کچھ بول نہ سکے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مؤکل سے کہا کہ میں تمھارے کیس کی وکالت نہیں کرسکتا۔ تم کوئی دوسرا وکیل تلاش کرلو۔

بظاہر یہ سب کمی کی باتیں ہیں مگر مسٹر گاندھی لکھتے ہیں کہ یہ کمیاں بعد کو میرے لیے بہت بڑی نعمت ثابت ہوئیں۔ اس سلسلے میں ان کے الفاظ یہ ہیں: بولنے میں یہ ہچکچاہٹ جو کبھی مجھے تکلیف دہ معلوم ہوتی تھی، اب میرے لیے ایک مسرت ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے مجھے مختصر الفاظ میں بولنا سکھایا۔ میرے اندر فطری طور پر یہ عادت پیدا ہوگئی کہ میں اپنے خیالات پر قابو رکھوں۔ اب میں اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بمشکل ہی کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی لایعنی لفظ میری زبان یا قلم سے نکلے''۔

پیارے بچو! مسٹر گاندھی کے نام سے تو آپ واقف ہی ہوں گے اپنی سادہ مزاجی اور انسانیت دوستی میں ان کا دور دور تک شہرہ ہے۔ وہ بہت سوچی سمجھی بات بولتے تھے ان کو اتنا بڑا مقام اور اعزاز ان کی کمزوری کی وجہ سے حاصل ہوا۔ بظاہر جسے وہ ناکامی سمجھ رہے تھے ان کے لیے اس نے کامیابی کے دروازے کھول دیے۔ لہٰذا پیارے بچو! اگر کسی کے اندر کوئی کمی یا کمزوری ہے تو اسے مستقبل کے لیے فکر مند نہیں ہونا چاہیے یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لیے بھلائی رکھی ہے۔

مرسلہ: عتیق احمد امراوتی، مہاراشٹر

☆☆☆

حضرت عمر فاروق کے خطاب سے چند اقتباسات

☆ لوگو! میں تم ہی میں کا ایک فرد ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں اگر مجھے خلیفۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات کو ٹھکرانا پسند نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے معاملات کی ذمے داری قبول نہ کرتا۔

☆ میرے اوپر تمہارے سلسلے میں کچھ ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں جن کا میں تم سے ذکر کرتا ہوں تم مجھ سے ان کا مواخذہ کرتے رہنا۔ میری ذمے داری ہے کہ جو مال میرے پاس آئے وہ حق کے مطابق صرف ہو میری ذمے داری ہے کہ تمہیں موت کے منہ میں نہ ڈالوں۔ میں تمہیں زیادہ عرصے سرحدوں پر تعینات نہ رکھوں اور جب تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھروں سے دور ہو تو میں تمہارے گھر والوں کی سرپرستی کروں۔

☆ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں سرکاری خزانے میں سے اپنے لیے کتنا حلال سمجھتا ہوں۔ میرے لیے سال بھر میں ۲ رکپڑے لینا حلال ہے ایک

جاڑے اور ایک گرمی کے لیے اور حج وعمرے کے لیے سواری نیز گھر والوں کے لیے وہ خوراک جو قریش کے ایک عام متوسط گھرانے کی ہوتی ہے اس کے بعد میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں۔

☆ میں نے تم پر سرکاری کارندوں کا تقرر اس لیے نہیں کیا کہ وہ تمہاری عزت وآبرو کے درپے ہوں اور تمہارے اموال غصب کرتے پھریں۔ میں نے انہیں اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکھائیں اب اگر کسی شخص پر کوئی عامل ظلم کرتا ہے تو اس کو میری طرف سے اس کی مطلق اجازت نہیں۔ مظلوم کو چاہیے کہ معاملات کو میرے سامنے رکھے تاکہ میں ظالم سے بدلہ لے سکوں۔

از: شفیع الرحمٰن، ممبئی

☆☆☆

پھول جیسے کچھ لفظ

☆ جھوٹ بولنے والا اپنے چہرے کی تازگی کھو دیتا ہے۔☆ عقل ایک قابلِ ستائش دوست ہے۔☆ عقل مند وہ ہے جو نصیحتوں کو سن کر ان پر عمل کرے۔☆ انسان اپنے اعمال سے درست اور ممتاز ہوتا ہے۔☆ ضمیر کی عدالت دنیا کی بہت بڑی عدالت ہے۔☆ آنکھوں پر رنگین چشمہ لگانے سے دنیا رنگین نہیں ہو جاتی۔

(انتخاب: بنتِ عبداللہ، ممبرا)

☆☆☆

خوبصورت باتیں

☆ آنکھوں میں کاجل ضرور ڈالو لیکن آنکھیں کاجل سے نہیں حیا سے اچھی لگتی ہیں۔

☆ کسی کو اس کے جرم کی سزا دینے میں جلدی نہ کرو اسے صفائی و معذرت کا موقع دو۔

☆ ہمیشہ سچ بولو کیوں کہ جیت ہمیشہ سچ کی ہی ہوتی ہے۔

☆ جاگتی آنکھوں سے صرف اس چیز کا خواب دیکھو جو تم حاصل کر سکتے ہو۔

☆ علم کا پڑھنا اور علم کا بڑھنا بے فائدہ ہے جب تک کہ اللہ کا خوف بھی ساتھ ساتھ نہ بڑھے۔

☆ زندگی ایک ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔

☆ انسان موت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جہنم سے نہیں حالانکہ کوشش کرنے سے انسان جہنم سے بچ سکتا ہے لیکن موت سے نہیں۔

☆ قرآن پڑھو تو دل کھل جائے

☆ نماز پڑھو تو چہرہ روشن ہو جائے

☆ کتنی پیاری ہے ہمارے نبی کی سنت، عمل کرو تو زندگی سنور جائے۔

☆☆☆

بچو! کیا آپ نے کبھی سوچا

☆ ویسے تو روزانہ پتہ نہیں ہم سے کتنے گناہ ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنے اکاؤنٹ کا اور گھر کے خرچ کا تو باقاعدہ حساب رکھتے ہیں کبھی ہم نے کہ اپنے گناہوں کا بھی حساب رکھا؟؟؟؟؟؟؟؟

اگر نہیں تو کیوں نہ آج سے یہ شروع کریں۔۔۔۔۔

کیوں کہ جو اپنا محاسبہ کرتا ہے ان شاء اللہ اس کا حساب آسان ہوگا۔

☆ سونے سے پہلے اپنے اچھے اعمال گنیں پھر برے اعمال کو گنیں اور اندازہ کریں کہ زیادہ گناہ کون سے ہیں؟

ایک بات یاد رکھو کسی چھوٹے گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو۔

از: صالحہ واجد علی، پورن پور پیلی بھیت

☆☆☆

نیکی کمانے کا بہت آسان طریقہ

کسی کو سلام کرنے سے کم سے کم 10 اور زیادہ سے زیادہ 30 نیکیاں ملتی ہیں اگر روزانہ 10 مسلمانوں کو سلام کیا تو مفت میں 300 نیکیاں account میں آ گئیں

السلام علیکم =10

السلام علیکم ورحمۃ اللہ =20

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ =30

کبھی آپ نے سوچا موت کا کوئی بھروسہ نہیں۔ جو کرنا ہے ابھی کرلو بڑھاپے میں فرصت تو بہت ہوتی ہے مگر ہمت بالکل نہیں ہوتی اس لیے انہیں اوقات کو غنیمت جانو۔ سلام کرنے سے بہت آسانی سے ہم کو نیکیاں مل سکتی ہیں جو بغیر کسی محنت کے حاصل ہو جاتی ہیں۔

مرسلہ: عبدالرحمان، مبارک پور

﴿.....﴾

تازہ مطبوعات

از: صادق رضا مصباحی

بے اصل روایات (تحقیقاتِ رضا کی روشنی میں)

اسلام وہ دین ہے جس کے چہرے کو غیروں نے تو مسخ کرنے کی کوشش کی ہی ہے اپنوں کی کارستانیاں بھی کچھ کم نہیں ہیں بلکہ حقیقت تو ہے کہ ان اپنوں نے ہی اسلام کی بنیادیں سب سے زیادہ متزلزل کی ہیں مگر یہ دینِ حق ہے کہ اپنی جگہ اتنی مضبوطی سے کھڑا ہوا ہے کہ چودہ سو سالوں سے مسلسل اس پر ہر طرح کے حملے ہو رہے ہیں مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ یہ دینِ حق ہے اگر اور کوئی مذہب ہوتا تو وہ کب کا آثارِ قدیمہ بن چکا ہوتا اور دنیا اس کی سوائے مرثیہ خوانی کے کچھ نہ کر سکتی تھی۔ ہر دور میں ایسے قدسی صفات حضرات رہے ہیں جنہوں نے اسلام کے زخم رسیدہ چہرۂ مبارک کی مرہم پٹی کی، علاج و معالجہ کیا اور اسے اس کی سابقہ حالت پر بنایا۔ اسلام کے ساتھ ابتدا ہی سے یہ عجیب و غریب المیہ رہا کہ نامعقول، سطحی، بے اصل اور جھوٹی روایات اسلام، قرآن، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر رفتہ رفتہ ائمۂ کرام، مجتہدینِ عظام، صحابۂ کرام اور بزرگان دین کے اقوال واحوال سے منسوب کی جاتی رہیں بعض نام کے مسلمانوں نے غیر شعوری اور غیر مسلموں نے شعوری طور پر اسلام کے فکری و عملی نظام کو داغ دار کرنے کی کوشش کی اور بہت سارے لوگ اس سے متاثر بھی ہو گئے لیکن امتِ مسلمہ نے اجتماعی طور پر قولاً وعملاً ہمیشہ اس کی تردید ہی کی، مصنفین نے اس بابت کتابیں تحریر فرمائیں اور حتی الامکان اسلام اور بزرگان دین کا دفاع کیا۔ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز بھی انہیں قدسی صفات لوگوں میں سے ایک تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیفات میں جگہ جگہ ناقابل تردید دلائل کے ساتھ بے اصل روایات کی بنیادوں کو منہدم کیا اور وضاعین کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا۔ ہمیں مولانا اسلم رضا قادری باسنوی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے تلاش و جستجو سے یہ اہم معرکہ سر کیا۔ مولانا موصوف نے فتاویٰ رضویہ سے کھنگال کھنگال کر ایسے موضوعات کو تلاش کیا اور ''بے اصل روایات (تحقیقاتِ رضا کی روشنی میں)'' نامی کتاب میں جمع کر کے قارئین کے حلقے تک کامیاب سعی کی۔ یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا لیکن بہرحال دیر آید درست آید۔ تصانیفِ رضا میں ایسے بے شمار موضوعات بکھرے پڑے ہیں جنہیں ایک جگہ جمع کر کے عوام الناس اور علمی حلقوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

''بے اصل روایات (تحقیقاتِ رضا کی روشنی میں)'' جب ہماری سامنے آئی تو بے اختیار ذہن کی ڈور اسلام کے نام پر چلنے والی ایک معاصر جماعت سے الجھ کر رہ گئی۔ اس جماعت سے وابستہ اہلِ علم حضرات نے اپنے بانی کے نظریات اور تحریکات کو ان کی کتابوں سے نکال نکال کر لٹریچر کا اتنا انبار لگا دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آں موصوف تصنیفی قبیلے میں کثیر العیال ہیں اور اتنے وسیع تر پیمانے پر ان نظریات کی ترسیل کی جا رہی ہے کہ برصغیر کا پڑھا لکھا ایک بڑا حلقہ اسی فکر کا خوشہ چیں بن چکا ہے اور وہی نظام اس کا قبلہ وکعبہ ہے۔ میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ در اصل دعوتی کام کا طریقہ کار یہی ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ اہلِ سنت وجماعت کے اکابرین نے اس طرف کبھی توجہ نہیں دی اور اگر دی بھی تو اس کو عمل کی رفاقت نصیب نہ ہو سکی۔ اس تناظر میں مولانا اسلم رضا قادری صاحب کی یہ کاوش لائقِ تقلید بھی ہے اور لائقِ تحسین بھی۔

یہ کتاب کل ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے لیکن معنوی حیثیت سے بہت ساری کتابوں پر بھاری ہے۔ مولانا اسلم رضا نے کتاب کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے ایک روایات اور دوسرا تعلیقات۔ ان دونوں حصوں میں انہوں نے بہت ساری بے اصل روایات اور پھر امام احمد رضا کے خامۂ زرنگار سے حقائق کو واشگاف کیا ہے۔ بہت سارے مسائل ہیں جن کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے مثلاً حضرت علی کے متعلق شراب پینے کی روایت، حضرت امیر حمزہ نے بغیر ذبح کیے اونٹنی کا گوشت کھایا تھا یا نہیں، کیا امام اعظم بخیل تھے؟، حضور کا نعلین شریفین سمیت معراج کو تشریف لے جانا، حضور غوث اعظم کا حضرت عزرائیل

(ملک الموت) کو تھپڑ مارنا، کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک شہادت کے بعد کئی روز تک ناگفتہ بہ حالت میں پڑی رہی؟ کیا روز قیامت ہر مسلمان کی قبر پر ایک ایک براق بھیجا جائے گا؟ وغیرہ وغیرہ بہت ساری روایات ہیں معاً جن کے جوابات بھی تحریر کردیے گئے ہیں۔ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ عوام الناس کے حلقے تک پہنچانا چاہیے۔ ہمیں امید ہے کہ مؤلفِ کتاب دیگر تصانیفِ رضا سے بھی اسی طرح کے موضوعات تلاش کر کے ایک مبسوط علمی کام کریں گے۔ اس اہم کتاب کی قیمت صرف ۳۰/روپے ہے جو سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور راجستھان اور جیلانی بک ڈپو ۵۲۳/وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

برکاتِ درود وسلام

مولانا حامد رضا برکاتی مصباحی بساطِ تحریر وقلم کے تازہ واردین میں سے ہیں۔ وہ ابھی بہت کم عمر ہیں لیکن اس کم عمری میں ہی انہوں نے ایک لائقِ تبریک کام کر ڈالا۔ اللہ انہیں علمی وعملی صحت وتوانائی کے ساتھ ہمیشہ شاد وآباد رکھے۔ انہوں نے تیسری صدی ہجری کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت قاضی اسماعیل بن اسحاق بصری علیہ الرحمہ کی کتاب **فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی الله علیه وسلم** کا اردو ترجمہ ''برکات درود وسلام'' کے نام سے کیا ہے۔ پچھلے چند سالوں سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبۂ فضیلت نے ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ طلبہ اپنی دستار بندی کے موقع پر کوئی اہم کتاب چھاپتے ہیں یا خود کوئی طالب علم اپنی تصنیف یا تالیف یا ترجمہ وغیرہ شائع کرتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک اہم اور خوبصورت کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ معروف عالمِ دین وقلم کار حضرت مولانا عبد المبین نعمانی کے یہ چند جملے کتاب اور مترجم کتاب دونوں کو سندِ اعتبار بخشتے ہیں۔

''زیرِ نظر رسالہ **فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی الله علیه وسلم** مصنفہ قاضی اسماعیل بصری (متوفی: ۲۸۲ھ) کا اردو ترجمہ ہے۔ درود وسلام پر یہ نہایت عمدہ رسالہ ہے اور مصنف نے خود اپنی سند سے اسے تالیف فرمایا ہے۔ ترجمے میں بھی سندیں دے دی گئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس رسالے کو عام کیا جائے تاکہ مسلمانوں میں درود وسلام کی فضیلت واہمیت کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جاسکے۔ ضخیم کتابیں تو بہت ہیں اور مباحث ومسائل پر مشتمل کتابیں بھی کافی دستیاب ہیں اس لیے رسالے کو صرف ترجمے تک باقی رکھا گیا اور تشریح وتفصیل کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ ترجمہ سلیس ہے اور عام فہم بھی۔ مولیٰ عز وجل مصنف ومترجم دونوں کو اپنے بے پایاں کرم سے نوازے اور قارئینِ اہلِ ایمان کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین **بجاہ سید المرسلین علیه وعلیٰ آله وصحبه الصلوٰۃ والتسلیم**''

۶۴/صفحات کی یہ کتاب المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور اعظم گڑھ یوپی سے صرف ۳۵/روپے میں منگوائی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

کتابی سلسلہ ''ایوان نعت'' کا حمد ومناجات نمبر

از: توفیق احسن برکاتی

ایڈیٹر سہ ماہی ''ادبی محاذ'' محترم سعید رحمانی کے زیرِ ترتیب اشاعت پذیر کتابی سلسلہ ''ایوان نعت'' کا حمد ومناجات نمبر (حمد گو شعرا کا تذکرہ) خوانِ مطالعہ پر ابھی تازہ تازہ جلوہ افروز ہوا ہے جو تقدیسی شاعری کا ایک حسین لالہ زار بن کر اربابِ ادب کے ذوق کو تسکین فراہم کر رہا ہے جو اپنے حسنِ ترتیب، تجزیے اور تعارف وتذکرے کی وجہ سے بے مثال کہا جاسکتا ہے جس میں سعید رحمانی کے قلم کی جولانی اور فکری تجزیہ نگاری اپنے عروج پر دکھائی دے رہی ہے۔ سعید رحمانی نے ۲۰۰۶ء سے دو کتابی سلسلے (ایک شاعر ایک غزل اور ایوان نعت) کا آغاز کیا ہے اور غزل اور نعت گو شعرا کے ایک جہان سے دنیائے ادب کو متعارف کرا چکے ہیں جو قابلِ صد تحسین ہے۔ زیرِ تذکرہ کتاب میں پچاسی حمد گو شعراء، باب دوم میں اکیس نعت گو شعرا اور باب سوم میں دو سلام گو شاعروں کی شمولیت ہے جس میں بیشتر بساطِ ادب پر اپنا سکہ رائج الوقت کر چکے ہیں اور کچھ نو واردانِ سخن خود اعتمادی کے ساتھ فکرِ سخن کرتے دکھائی دے رہے ہیں گویا اس میں مبتدی شعرا بھی ہیں اور استادانِ ادب بھی۔ اس سے جہاں نئے شاعروں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ اصلاح کا جذبہ بیدار ہوگا وہیں استاد شعرا سے بہت کچھ سیکھنے کی فکر پیدا ہوگی۔ محترم سعید رحمانی کی یہ کاوش ایک تاریخی پیش کش کہی جائے گی اور اردو زبان وادب بالخصوص صنفِ نعت وحمد کے لیے گراں قدر بھی ہے اور قابلِ صد ستائش بھی۔ ۱۲۸/صفحات کی اس کتاب کا پیش لفظ معروف قلم کار رؤف خیر (حیدرآباد) نے ''حد فاصل'' کے

عنوان سے تحریر کیا ہے جسے پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ بہت بے دلی سے انہوں نے قلم سنبھالا ہے اور ایک جبریہ تحریر سپردِ قرطاس کی ہے۔ رؤف خیر صاحب کی علمی لیاقت جو بھی ہو لیکن انہیں علمِ کلام کے مسلمہ اصول اور خود اپنی تحریر کردہ سطور (''وہ بدعتی جو ایک منہ سے **ایاک نعبد و ایاک نستعین** بھی پڑھتے ہیں اور اسی منہ سے غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا بھی سمجھتے ہیں۔ ایسے عقیدے کے لوگ نہ اللہ سے آگاہ ہوتے ہیں اور نہ بندے کی حدود سے واقف ہیں''۔ ص:۶) کے درمیان حد فاصل ضرور قائم کرنی تھی جو وہ نہ کر سکے۔ اگر وہ حقیقی و غیر حقیقی، ذاتی وعطائی، قدیم وحادث اور غیر محدود ومحدود کا فرق جاننے کی کوشش کرتے تو ایسی ہفوات سے اپنی زبان و بیان کو آلودہ نہ کرتے۔

تعجب ہے کہ سعید رحمانی نے اس پیش لفظ پر شکریہ بھی ادا کیا ہے اور کتاب میں شامل بھی کر لیا ہے۔ اس کے بعد مشہور ناقد وشاعر محترم سید شکیل دسنوی نے تین صفحے پر ''حمد ومناجات کی الہامی رہ گزر'' کے عنوان سے بڑی اچھی تحریر لکھی ہے اور پھر مرتبِ موصوف نے عرض حال کو دو صفحے میں بیان کیا ہے۔ ٹائٹل پیج کے عقبی صفحے پر علامہ شبلی نے چار سطروں میں ایوان نعت کی اشاعت کی سراہنا کی ہے۔ قارئین شعرائے کرام آئندہ اس کتابی سلسلے میں اپنے کوائف کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں جس کے لیے درج ذیل پتہ استعمال کریں۔

سعید رحمانی ایڈیٹر ادبی محاذ

اخبار اڑیسہ پبلی کیشنز، دیوان بازار، کٹک، اڑیسہ۔۷۵۳۰۰۱

﴾.....﴿

بقیہ صفحہ ۴۸ کا: فاروق سریاوی، سید طالب سہسرامی، فیضان رضا پلاموی وغیرہم نے بہت ہی اچھوتے انداز میں نعت ومنقبت کے نذرانے پیش کیے۔ حضور امین ملت، مفتی اصغر امام، حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی، مولانا حبیب اشرف، حضرت مولانا ذکر اللہ، حضرت مولانا سید احمد القادری، حضرت مولانا سید محمود القادری وغیرہم نے جامع خطاب فرمایا۔ حضور امین ملت نے فرمایا کہ خطہ اجھر شریف سے ہمارا بہت پرانا تعلق اور رشتہ ہے مفتی شریف الحق امجدی صاحب جب جب مارہرہ مطہرہ تشریف لائے والدِ گرامی حضور احسن العلماء ہمیشہ ان سے سید صاحب (امام ملت) کی خیر وخیریت دریافت فرماتے۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ ہماری برسوں سے دلی خواہش تھی کہ بحکم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بغدادِ مقدس سے ہندوستان تشریف لانے والے سب سے پہلے بغدادی بزرگ سید الہند کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کروں اور سیدنا پاک کی روحانی برکات سے فیضیاب ہو جاؤں آج مجھے سہ آتشہ خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ میری برسوں کی آرزوئی ثمر بار ہوگئیں، اور بارگاہ سیدنا میں حاضری تو نصیب ہوئی ہی ساتھ ہی ساتھ مجھے تبرکات شریفہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اخیر میں صلوٰۃ وسلام کے بعد دعا خوانی پر جلسے کا اختتام ہوا۔ (**رپورٹ:** اراکین دار العلوم فیضان سیدنا)

کالی کٹ مرکز سے حافظ عمر نے مصر میں
عالمی حفظ القرآن مسابقے میں دوئم پوزیشن حاصل کی

گزشتہ دنوں مصری وزارۃ اوقاف اور الجامعۃ الازہر الشریف کے باہمی تعاون سے منعقد ہونے والے عالمی حفظ القرآن کے سالانہ انعامی مسابقے میں کالی کٹ جامعہ مرکز سے حافظ عمر کا انتخاب عمل میں آیا۔ عالمی سطح پر منعقد حفظ القرآن مسابقے میں ہندوستان سمیت عرب ممالک سے کل ۳۰ ممالک کے نمائندے شامل رہے۔ سالانہ حکومتی پروگرام جامعۃ الازہر کے باہمی اشتراک سے منعقد ہونے والے حفظ القرآن مقابلے میں جامعہ مرکز گذشتہ ۵ سال سے شریک ہوتا رہا ہے جس میں اس کے طلبہ کو دوبار دوسری پوزیشن حاصل کرنے میں کامیابی ملی۔ سالِ رواں میں حفظ القرآن مسابقے میں حافظ عمر اوماشری نے دوسری پوزیشن حاصل کر کے برصغیر کی تعلیمی معیار کی بہتری نمونہ پیش کیا۔ ان کی اس کامیابی پر ادارے کی طرف سے تہنیتی تقریب میں اعزاز نامہ ومبارک باد پیش کی گئی۔ جنرل منیجر سی محمد فیضی کے مطابق گذشتہ ۵ سال سے جامعہ کے تعلیمی معیار کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے تقریباً ہر خطے میں جامعہ کی عالمی نمائندگی قائم ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حال ہی میں دبئی حفظ القرآن مسابقہ ومصری عالمی مسابقہ میں زبردست مقبولیت کے پیش نظر تعلیمی نظم ونسق میں بہتری آئی ہے اس کا اعتراف عالمِ عرب نے خود کیا ہے۔ (**رپورٹ:** عبدالکریم امجدی، مرکز نگر، کالی کٹ کیرالا)

دینی، دعوتی ملی اور مذہبی سرگرمیاں

از: ادارہ

باندہ یوپی میں سنی دعوت اسلامی کا اجتماع

سرزمین چھنہرا الاپور باندہ یوپی میں ایک روزہ عظیم الشان جلسۂ دستار بندی اور سنی دعوت اسلامی کا ایک روزہ سنی اجتماع ۲۰؍مئی ۲۰۱۱ء بروز جمعہ دارالعلوم غوثیہ نوریہ اہلِ سنت میں منعقد ہوا جس کی سرپرستی حضرت سید امین میاں صاحب قبلہ سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ نے فرمائی۔ اجتماع کا آغاز بعد نماز عصر قاری اویس کی تلاوت سے ہوا۔ کان پور سے تشریف لائے ہوئے مبلغ ارشاد احمد صاحب نے نعت شریف پیش کی اور ممبئی سے تشریف لائے ہوئے مبلغ شہنشاہ رضا بھی وقفے وقفے سے دعوت وتبلیغ کے طریقے اور درود شریف کی فضیلت بیان کرتے رہے۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مصباحی نے ''عظمت مصطفیٰ'' پر مدلل خطاب فرمایا۔ نمازِ عشا کے بعد مداحِ خیر الانام عرفان فتح پوری نے نعتِ نبی پیش کی۔ حضرت امین میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے اپنے نورانی وعرفانی بیان سے سامعین کے قلوب کو منور فرمایا انہوں نے فرمایا کہ قرآن میں ہر خشک وتر کا بیان ہے دنیا کی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو قرآن میں نہ ہو۔ آپ نے سامعین سے مسلکِ اعلیٰ حضرت پر قائم ودائم رہنے اور نوجوانوں سے علمِ دین سیکھنے کی تلقین کی۔ حضور امین میاں قبلہ نے دارالعلوم غوثیہ کے بارے میں فرمایا کہ سبھی لوگ مل کر تیل ڈالتے رہیں تاکہ یہ چراغ روشن رہے۔ بعدہٗ حضرت امین ملت نے سامعین کو سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں شامل فرمایا۔ ان کے بعد مکرم کانپوری نے نعتِ نبی پیش فرمائی۔ مولانا ہاشم اشرفی کانپوری نے فرمایا کہ سچے عقیدے کے ساتھ عملی بیداری پیدا کرو۔ مولانا سید ابرار احمد نے اصلاحِ معاشرہ پر پرزور خطاب فرمایا۔ اخیر میں مقرر خصوصی حضرت علامہ مولانا شاکر علی نوری امیر سنی دعوت اسلامی نے ''عظمت قرآن'' کے موضوع پر عظیم الشان خطاب فرماتے ہوئے بتایا کہ قرآن تمام علوم وفنون کا جامع ہے۔ قرآن دُنیا کے سارے انسانوں کے لیے مکمل ہدایت ہے ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی تلاوتِ کلامِ ربانی اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ حضرت نے مزید فرمایا کہ دارالعلوم غوثیہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی پہچان ہے جہاں عشقِ رسول طلبہ کو پلایا جاتا ہے عمارتیں بڑی ہوں اور عشق رسول کا جام نہ پلایا جائے تو سب بیکار ہے۔ حضرت نے سامعین سے نوری قافلے میں نکلنے کی دعوت دی۔ حضرت کے خطاب کے بعد دارالعلوم غوثیہ سے فارغ سات حفاظ کے سروں پر علما ومشائخ کے ہاتھوں دستار کا تاج رکھا گیا۔ حافظ سید یعقوب احمد ناظم اعلیٰ دارالعلوم ہذا نے دور دراز سے تشریف لائے علمائے کرام و مہمانانِ خصوصی وسامعین کا شکریہ ادا کیا اور مبارک باد پیش کی۔ اس سنی اجتماع کا اختتام حضرت مولانا شاکر علی قبلہ کی دعاؤں پر ہوا۔ اجتماع کی نظامت کے فرائض آصف رضا کانپوری نے انجام دیے۔

رپورٹ: حافظ سید یعقوب احمد ناظم دارالعلوم غوثیہ

☆☆☆

دارالعلوم فیضان سیدنا اورنگ آباد بہار میں جلسۂ دستار بندی

۱۰، ۱۱؍جون ۱۱ء بروز جمعہ وسنیچر قطب الاقطاب فرد الافراد سید السادات نائب غوث الثقلین سیدنا محمد قادری بغدادی ثم الجھری رضی اللہ عنہ کی علمی وروحانی یادگار دارالعلوم فیضانِ سیدنا اورنگ آباد بہار میں حضور امینِ ملت کی سرپرستی میں دوروزہ عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کی صدارت بانیِ ادارۂ ہذا حضرت مولانا مفتی سید اصغر امام قادری صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ فاروقیہ بنارس نے فرمائی۔ ۱۰؍جون ۱۱ء بروز جمعہ ردائے فاطمہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کی مایۂ ناز مبلغات وعالمات نے خطاب فرمائے اور کثیر تعداد میں خواتین نے شرکت فرمائی۔ دوسرے دن ۱۱؍جون بروز شنبہ فیضان سیدنا کانفرنس ہوئی جس میں ۱۴؍علما، ۲۰؍قرا اور ۱؍حافظ کو سند وخلعتِ دستار سے نوازا گیا۔ تقریباً سوا نو بجے تلاوتِ قرآنِ مجید سے جلسے کا آغاز ہوا۔ شعرائے کرام میں زم زم فتح پوری، صغیر احمد صبا مراد آبادی،

(بقیہ صفحہ؍۷۴پر)

قارئین کے خیالات وتاثرات

از:ادارہ

نماز میں خشوع کیسے پیدا ہو

نماز میں خشوع کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے کیونکہ خشوع نماز کی روح، دلوں کے لیے نفع بخش اور چہروں کا نور ہے اور یہی وہ علم ہے جو صحیح حدیث کے مطابق اس اُمت سے سب سے پہلے اُٹھا لیا جائے گا۔(صحیح الجامع 2562):

جامع ترمذی 2/94)) اور سنن دارمی 1/75)) میں عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو میں تمہیں اُس علم کے بارے میں بتاؤں جو سب سے پہلے لوگوں سے اٹھا لیا جائے گا وہ علم خشوع ہے، قریب ہے کہ تم جامع مسجد (لوگوں سے بھری ہوئی مسجد) میں داخل ہو گے مگر ایک آدمی کو بھی خشوع سے نماز پڑھتا ہوا نہیں پاؤ گے۔

بعض علما نماز کے تمام ارکان میں خشوع کو واجب قرار دیتے ہیں۔ سنن اربعہ میں صحیح حدیث ہے کہ: نمازی کے لیے خشوع کے ہونے یا پھر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نماز کا اجر دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تہائی یا نصف حصہ لکھا جاتا ہے (یعنی جتنا خشوع زیادہ ہوگا اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا ورنہ کم ہوتا جائے گا)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو مسلمان فرض نماز کے لیے آئے اور اس کے لیے بہترین وضو کرے اور اس کے خشوع اور رکوع کو پورا کرے تو وہ نماز اس کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا ہو اور یہ گناہوں کا دھلنا ہمیشہ ہوتا ہے۔ (رواہ مسلم۔ المشکاۃ المصابیح(1/38)

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو میرے اِس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت (تحیۃ الوضو) ادا کرے اور نماز کے دوران اپنے دل کو خیالات سے پاک رکھے تو ایسے شخص کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔(بخاری ومسلم، المشکاۃ(1/39)

اسی طرح مسلم کی ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے اور پھر دو رکعتیں ادا کرے، اپنا رخ اور دل دونوں نماز ہی کی طرف لگائے رکھے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔(مسلم، مشکوٰۃ(1/39)

خشوع کے موضوع پر کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں بلکہ خود قرآنِ کریم نے اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مؤمنون میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ**(المؤ منون (بے شک ان مؤمنین نے فلاح پائی جو نماز میں خشوع کرتے ہیں) مزید فرمایا: **وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ** (اور یہ (نماز) گراں ہے مگر خشوع کرنے والوں پر گراں نہیں)۔

خشوع ایمان والوں کی صفات میں ایک اہم صفت ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ۔ اللہ عزوجل ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے: **والخاشعین والخاشعٰت** (خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں (جنت کی مستحق ہیں)۔

تفسیر خازن کے مطابق خشوع کرنے والا وہ شخص ہے جو گناہوں میں مبتلا ہو جانے کے ڈر سے بعض (مشتبہ) کام ترک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیا کو اِسی وصف (خشوع) سے موصوف فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: **کانوا یدعوننا رغبا ورھبا وکانوا لنا خشعین** (وہ ہمیں خوف اور اُمید سے پکارا کرتے تھے اور ہم سے دبے دبائے رہتے تھے)۔

اسی طرح اہل کتاب کے صالح افراد کا بھی یہی وصف بیان فرمایا: **وان من اھل الکتاب لمن یؤمن باللہ وا لیوم الآخر خشعین للہ** (بے شک اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی خاطر دبے دبائے رہتے ہیں)۔

خشوع کی علامت: خشوع کی علامت یہ ہے کہ انسان نماز کی حالت میں اپنے کپڑے یا جسم کے کسی عضو سے نہ کھیلے اور نہ ہی اپنی

نگاہیں اوپر کو اٹھائے بلکہ خشوع کا اتنا غلبہ ہو کہ انسان کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں اور بائیں کون شخص کھڑا ہے۔سکون کے ساتھ کھڑا رہے اور اپنی نظریں سجدے کی جگہ پر رکھے۔علمائے ربانی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خشوع کی اصل جگہ دل ہے۔خشوع خوف اور اللہ کے لیے اپنے آپ کو پست کر دینے کا نام ہے اور اپنے معبود کی تعظیم کے سوا کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔

خشوع پیدا کرنے کے طریقے: خشوع پیدا کرنے کے کئی طریقے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم کر دیتے ہیں۔

ا۔ اپنے دل کو اللہ کے خوف سے معمور کر دے کیوں کہ جب دل خوف سے بھر جاتا ہے تو خشوع خود بخود پیدا ہوتا ہے۔یہ ایک ہی طریقہ خشوع پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔سلف صالحین نماز کے دوران اسی کا التزام فرمایا کرتے تھے۔

۲۔ ہر اس چیز سے دور رہے جو خشوع میں رکاوٹ پیدا کرتی ہو مثلاً بھوک لگنا، بول و براز کی حاجت ہونا وغیرہ۔خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جانب اشارہ کر کے فرمایا: جب رات کا کھانا سامنے ہو اور نماز کی اقامت ہو جائے تو کھانے سے ابتدا کرو (یعنی پہلے کھانا کھا لو) اسی طرح فرمایا : حاجت (بول و براز) کو روک کر نماز پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوتی۔

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ جب وہ نماز پڑھے تو اپنے آپ کو تمام کاموں سے فارغ کر لے۔

۳۔ نماز میں قرآنِ مجید کو اونچی آواز سے پڑھے یا کم از کم اتنی آواز تو ضرور ہو کہ وہ خود سن سکے کیونکہ تلاوتِ قرآن کی آواز دِل پر بہت ہی زیادہ اثر کرتی ہے۔نوٹ: جو شخص ہونٹ ہلائے بغیر نماز پڑھے اس کی نماز درست نہیں۔

۴۔ اپنی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ پر غور و فکر کرے کہ وہ قراءت میں ہے یا ثنا پڑھ رہا ہے یا فاتحہ کی تلاوت کر رہا ہے وغیرہ۔

۵۔قراءتِ قرآن، نماز میں کی جانے والی تسبیح اور ذکر کے معنی بھی سمجھے۔عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں تمہاری نماز کا اتنا ہی اجر تمہیں ملے گا جو تم نے سمجھ کر ادا کی۔

۶۔ ۔ایسی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ صحیحہ کا مطالعہ کرتا رہے جو خشوع اور عاجزی پر ابھارتی ہوں۔یہ طریقہ کافی فائدہ مند ثابت ہوگا۔

۷۔اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ جو نماز میں ادا کر رہا ہوں اس کا ثواب بغیر خشوع کے ملنے والا نہیں ہے۔

۸۔خشوع پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کرے۔شروع شروع میں ہو سکتا ہے یہ مشکل لگے مگر پھر ان شاء اللہ یہ نمازی کی عادت بن جائے گی۔انسان کو چاہیے کہ خود اس بات کا تجربہ کر لے کیونکہ جب نمازی یہ چاہے گا کہ نماز کے دوران اُسے دنیاوی خیالات نہ آئیں تو یہ چیز یقیناً ایک مشکل کام ہوگا۔(یہ طریقہ سب سے بہتر ہے)

۹۔یہ سوچ کر نماز ادا کرے کہ یہ اس کی آخری نماز ہے جسے وہ ادا کر رہا ہے۔جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: دُنیا چھوڑ کر جانے والے شخص کی طرح نماز پڑھو۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے اور یہ کہ وہ اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں (ان پر نماز ادا کرنا ذرا بھی گراں نہیں)۔یہ سوچ نمازی کو خشوع بڑھانے میں بہت کارآمد ہوگی۔

۱۰۔پڑھی جانے والی دُعائیں اور اذکار بدل بدل کر پڑھے۔یہ چیز بہت اثر انگیز ہے کیونکہ ایک ہی ذکر کو ہمیشہ پڑھنا دِل کو سخت کر دیتا ہے اور دِل اس کا عادی ہو جاتا ہے پھر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

۱۱۔آدابِ بندگی اور سنت سے ثابت شدہ چیزوں کا بھرپور اہتمام کرے مثلاً ارکان کو تعدیل سے ادا کرنا، کبھی نماز پڑھنا، لمبے سجدے کرنا اور حیوانات سے تشبہ اختیار نہ کرنا وغیرہ۔

۱۲۔لمبی نماز پڑھنا اور طویل قراءت کرنا خشوع پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ چھوٹی نماز میں خشوع کم ہی پیدا ہوتا ہے۔

۱۳۔ایسی آیات، دُعاؤں اور اذکار کو بار بار دہرائے جو خوف اور اُمید پر مشتمل ہوں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی رات کی نماز میں یہی ایک آیت ساری رات تلاوت کرتے رہتے تھے۔إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيم (اگر تو انہیں عذاب دے (تو تُو اِس کا حق رکھتا ہے کیونکہ) وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تُو انہیں بخش دے تو تُو ہے ہی زورآور اور حکمت والا) یہی آیتِ مبارکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع میں بھی پڑھی اور سجدے میں بھی۔

از: عبدالرحمان خاں، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

☆☆☆

ہر جستجو کی آخری منزل اسلام ہے

عالمی داعی و مبلغ علامہ عبدالعلیم میرٹھی رضوی نے جاپان میں اپنے ایک انگریزی خطبے میں فرمایا تھا:

''رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف سنگھائی (Royal Asiatic Society of Shanghai) کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے میں نے واضح کیا تھا کہ سائنس اور مذہب کے باہمی تضاد کا مفروضہ صرف غلط فہمیوں کی بنیاد پر ہے اور مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ میری اس بات کو غیر معمولی طور پر سراہا گیا۔ بلاشبہہ جن لوگوں کے نزدیک مذہب اور سائنس کے مابین تضاد موجود ہے وہ حقیقتاً مذہبی نظریے کو غلط معانی دیتے ہیں۔ وہ دراصل مذہب نہیں ہے وہ دیو مالائی قصے ہیں اور توہمات کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب بہ ذات خود ایک سائنس ہے۔'' (سائنس کے فروغ میں مسلمانوں کا حصہ: مشمولہ، تبرکات عالمی مبلغ اسلام، ص/۴۹۱)

صنعتی انقلاب رونما ہوا پھر مشنری انقلاب آیا سائنس و ٹکنالوجی کے انقلاب نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ دشمنانِ اسلام نے مسرت منائی کہ اب ہم اسلام کو پچھاڑ دیں گے۔ سائنس کی ترقی کے آگے اسلام ٹک نہ سکے گا لیکن ان کا یہ وہم ڈھ گیا جب سائنس کا ہر تجربہ اسلام کی صداقت و سچائی کا معترف بن گیا۔ اسلام فطرت کا دین ہے اور نظامِ فطرت پر غور وخوض کی تعلیم نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل ہونے والی عظیم کتاب نے دی۔ کائنات کے سائنسی مطالعے کی دعوت کے سلسلے میں قرآن کا یہ اسلوب کس قدر معنیٰ خیز ہے:

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقل مندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔'' (سورۃ البقرۃ:۱۶۴)

معلوم ہوا کہ کائنات کا سائنسی مطالعہ خالقِ کائنات کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔ غور و فکر کی تعلیم یوں ہی نہیں دی گئی ہے اس کے ذریعے حق و سچائی کی راہ آسان کر دی گئی ہے۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ قبولِ اسلام کے سلسلے میں زیادہ تر وہی افراد سامنے آتے ہیں جو مطالعہ اور تحقیق کے قائل ہوتے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا تناسب زیادہ ہے جو جستجو کرتے ہیں۔ جستجو کے سفر کی منزل اسلام ہے اس لیے سائنس اور اسلام میں کہیں ٹکراؤ نہیں۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا کی یہ فکر انسانیت کے لیے رہ نما ہے کہ ''سائنس کو قرآن کی روشنی میں پرکھو۔'' اس لیے بھی کہ سائنس کے نظریات میں ارتقا کا عمل جاری رہتا ہے۔ سائنس برسوں کی سوچ و تجربے کے بعد ایک نتیجہ اخذ کرتی ہے پھر اس میں بھی تبدیلی کا امکان ہوتا ہے غلطی کا احتمال ہوتا ہے لیکن قرآن نے صدیوں پہلے جو نظریہ دیا ان میں کسی ترمیم کا احتمال نہیں کسی لچک یا غلطی کا شائبہ نہیں۔ قرآن کا ہر ضابطہ اٹوٹ ہے ہر اصول نا قابلِ تبدیلی ہے۔ ہر حکم نا قابل تردید ہے، ہر فیصلہ جامع ہے، وسیع ہے اور شک و شبہے سے بَری ہے۔

موجودہ ترقیات نے مادی زندگی میں آسائش کی سہولیات تو مہیا کیں مگر سکون غارت ہو گیا۔ سماجی مساوات کا معاملہ مٹ گیا، انسانیت عمیق گمراہیوں میں بھٹک رہی ہے، انسانی زندگی غیر متوازن راہ پر جا پڑی ہے۔ ان حالات میں قرآنِ مقدس کی رہ نمائی ہی سوچ و فکر کو استقامت عطا کر سکتی ہے اور مسائل کا صحیح اور ٹھوس حل پیش کر سکتی ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن مقدس اور سیرت طیبہ سے رجوع کیا جائے۔ ان سے اپنی حیات کی تاریک شاہ راہ کو روشن و منور کیا جائے۔ دنیا میں بہت سے مسائل ہیں، سماجی و سیاسی، عائلی و بلدیاتی، فکری و معاشی سب کا حل صرف اسلام میں ہے اور اس سلسلے میں ایک طرف قرآنِ مقدس کی رہ نمائی موجود ہے تو دوسری طرف عملی زندگی میں سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل رہ نمائی ہے۔ ان دونوں سے استواری اگر ہو جائے تو تمام مسائل کا خود بخود تصفیہ ہو جائے گا۔

از: غلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن، مالیگاؤں

☆☆☆

دہشت گردی کا خاتمہ کیسے ہو؟

اسلام دینِ فطرت ہے اسلام کی بنیاد عدل و مساوات پر ہے نہ کہ ظلم و جبر پر۔ اسلام اپنی امن و سلامتی اور محبت و مروت کا دین ہے اور دوسروں کو بھی امن و عافیت کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق سچا مسلمان وہی شخص ہے جس کے ہاتھوں بے گناہ انسانوں کے جان و مال محفوظ رہیں۔ انسانی جان کا تحفظ شریعتِ اسلامی میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے کسی بھی انسان کی ناحق جان لینا اور اسے قتل کرنا فعلِ حرام ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ

عمل موجبِ کفر بن جاتا ہے۔ اللہ عزوجل قتل وفساد کے متعلق قرآنِ مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: **واللہ لایحب الفساد** (بقرہ/۲۰۵) اور اللہ فساد سے راضی نہیں۔ یعنی اللہ عزوجل قتل وفساد کو پسند نہیں فرماتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: **واللہ لایحب الظالمین** (آل عمران/۵۷) اور ظالم اللہ کو نہیں بھاتے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ عزوجل ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ قرآن مجید میں فساد کے ساتھ ساتھ قتل وفساد کرنے والوں کی بھی مذمت کی گئی ہے تاکہ پوری طرح یہ واضح ہوجائے کہ اسلام دہشت گردی کا سخت مخالف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **من یقتل مؤمنا متعمدا فجزائہ جھنم خالداً فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذاباً عظیما** (النساء/۹۳) اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گا اور اس پر اللہ غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کررکھا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ عزوجل نے ظلم کرنے والے کو کتنے سخت الفاظ سے متنبہ کیا ہے اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کسی کو قصداً قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور ایسے لوگوں پر اللہ سخت غضب ناک ہوتا ہے اللہ اور فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے لہٰذا قرآن ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ قتل وفساد لوٹ مار جسے دورِ حاضر میں دہشت گردی کہتے ہیں، بہت بڑا گناہ ہے ہمیں ان جیسے افعال سے بچنا بہت ضروری ہے تبھی امن وامان قائم ہوسکے گا اور دنیا امن وامان کا گہوارہ بنے گی۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا کی دہشت گردی مثلاً بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، بیواؤں کو منحوس سمجھنا ہی کو مٹانے کے لیے امن وامان کا دستور قرآن کی شکل میں لے کر دنیا مین تشریف لائے۔ وہ کتاب جس میں امن وامان کا مکمل دستور ہو اس پر عمل کرکے دہشت گردی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے اس کے لیے قرآن کا مطالعہ کرنا ہوگا اس کو سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہوگا تب دہشت گردی کا خاتمہ ممکن ہوگا۔ دہشت گردی کا مفہوم تلوار اور گولیاں چلانا ہی نہیں بلکہ دوسروں کا حق مارنا بھی دہشت گردی ہے، مسلمانوں پر جو ظلم وزیادتی ہورہی ہے ان کا خاتمہ کرنا، عدالتوں میں انصاف اور دیانتداری کو سربلند کرنا اور تعصب، امتیاز، ذات برادری، دین دھرم کا چہرہ دیکھے بغیر مستحق کو اس کا حق دے کر بھی دہشت گردی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ معاشرے میں دہشت گردی کے پنپنے کا اصل سبب ظلم و ناانصافی ہے مظلوم اگر ظالم کا مقابلہ نہیں کرپاتا ہے اور انصاف کے حصول سے محروم رہتا ہے تو اس میں انتقام لینے کے جذبات پرورش پاتے ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ قانونی راستہ بند ہے تو غیر قانونی راستہ اختیار کرلیتا ہے اس لیے دہشت گردی کو روکنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ معاشرے میں ظلم وجور کا دروازہ بند کیا جائے اور عدل وانصاف کو پوری طرح نافذ کیا جائے تاکہ دہشت کو ابھارنے والے ذرائع باقی نہ رہیں۔ اسی لیے قرآن نے جگہ جگہ عدل وانصاف کا حکم دیا ہے اور اس کی بڑی تاکید کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان** (نحل/۹۰) بے شک اللہ عزوجل عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام اپنی تعلیمات اور افکار ونظریات کے لحاظ سے کلیتًا امن وسلامتی، خیر وعافیت اور حفظ وامان کا دین ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو خود بھی سراپا سلامتی ہے اور دوسروں کو بھی امن وسلامتی، محبت ورواداری، صبر وتحمل کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام میں کسی انسانی جان کی قدر وقیمت اور حرمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے بغیر کسی وجہ کے ایک فرد کے قتل کو بھی پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ قتلِ عمد کی سزا موت ہے اور بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرنے اور کسی ایک انسان کی جان کو تلف کرنے کی اجازت نہیں د یتا تو کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ خودکش حملوں، بم دھماکوں کے ذریعے ہزاروں شہریوں کے جان ومال کو تلف کرنے کی اجازت دے لہٰذا ہمیں معاشرے میں امن وسلامتی قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے تبھی انسان پرسکون زندگی بسر کرسکتا ہے۔

از: محمد عارف رضا نعمانی المجمع الاسلامی ملت نگر، مبارک پور

☆☆☆

تحریک کامیابی کے ساتھ رواں دواں ہے

مکرمی ایڈیٹر صاحب..................سلام وتحیت

امید کہ بخیر ہوں گے۔ ماہنامہ سنی دعوت اسلامی ہر ماہ پابندی سے زینتِ مطالعہ بنتا ہے مجھے اس کا بڑی بے صبری سے انتظار رہتا ہے ماہنامے کے تقریباً سارے مضامین اچھے ہوتے ہیں۔ آپ حضرات قابلِ صد مبارک باد ہیں۔ حسبِ معمول ستمبر ۲۰۱۱ء کا شمارہ ۷/ اگست کو موصول ہوا امیر سنی دعوت اسلامی کا پیغام اور ایڈیٹر صاحب کا اداریہ ''روزِ سعید کا حقیقی تصور اور ہمارا طرزِ عمل'' پسند آیا۔ اداریے کے آخری پیراگراف میں میں احسن برکاتی صاحب نے جن تلخ حقائق کا تذکرہ

کیا ہے اس پر ملتِ اسلامیہ کے بہی خواہوں کو فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سید عبد السلام کی تحریر ''تربیت، دعوت اور نصیحت'' علامہ عبد المبین نعمانی صاحب کی: مکتوبات مخدوم جہاں کے جواہر پارے، اوراحمد رضا فہر قادری کا مضمون: دعوتی مشکلات کا تقابلی جائزہ'' کافی پسند آیا۔ اس شمارے کے مطالعے سے پتہ چلا کہ دنیائے سنیت کی تین اہم شخصیات حضرت سید یحییٰ میاں مارہروی، شیخ القرآن حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی اور مفتی محمد فاروق صاحب اب ہمارے درمیان نہ رہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے اوران کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

اس بار پیش رفت کے کالم میں مشہور نعت خواں بلبل باغ مدینہ الحاج محمد رضوان خان صاحب ''برطانیہ کا ایک دعوتی وتبلیغی سفر'' کے ساتھ غالباً پہلی بار شریک ہوئے ہیں۔اس سفرنامے کو پڑھ کر محسوس ہوا کہ موصوف کے اندر تحریر وقلم کی بھی اچھی صلاحیت موجود ہے میری گزارش ہے کہ موصوف اس سلسلے کو باقی رکھیں۔اس سفرنامے سے بہت ساری معلوماتی حاصل ہوئیں اور پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ سنی دعوت اسلامی کا دعوتی وتبلیغی سفر بہت کامیابی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ چھ غیر مسلموں کا دامن اسلام میں داخل ہونا بہت حوصلہ افزا اور خوش کن خبر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت سنی دعوت اسلامی کو روز افزوں ترقیاں عطا فرمائے اوراس کے ذریعہ اسلام و سنیت کی تبلیغ واشاعت تا قیامت ہوتی رہے۔آمین۔

از:ایم حسین نظامی۔ڈومریا گنج سدھارتھ نگر یوپی۔

☆☆☆

چاند کے سلسلے میں حکومتِ سعودیہ کا اعلان سمجھ سے بالاتر ہے

مکرمی............سلام مسنون

رمضان المبارک کے آخری ہفتے میں الجزیرہ ٹی وی نے سعودی ماہرینِ فلکیات کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ سعودیہ میں امسال بروز پیر کی شام کو شوال کا چاند کہیں نظر آنے کا امکان نہیں ہے لہذا عید المبارک بدھ کو ہوگی مگر اچانک سعودیہ نے پیر کی شام کو چاند نظر آنے کا اعلان کر کے دنیا کو حیران کر دیا جس کی وجہ سے شام، قطر، یمن اور عرب امارات کے علاوہ دیگر کئی ممالک نے بھی سعودیہ کی پیروی کرتے ہوئے یا خیبر پختون جیسے گواہان کو رویت ہلال کمیٹی کے سامنے پیش کر کے منگل کو عید کرنے کا فیصلہ کیا۔سعودیہ نے دنیا کو ایک بار پھر یہ کہہ کر مزید حیران کر دیا کہ ان کے ماہرینِ فلکیات کو بروز پیر کی شام کو چاند نظر آنے میں غلطی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے حکومتِ سعودیہ ایک ارب ریال اپنے شہریوں کے تیسویں روزہ کا کفارہ ادا کرے گی۔

الجزیرہ ٹی وی نے مزید بتایا کہ دنیا بھر کے تمام ماہرین فلکیات کا اتفاق پایا جاتا تھا کہ انسانی آنکھوں کا پیر کی شام کو دنیا کے کسی کونے میں بھی شوال کا چاند دیکھنا ناممکن ہے مگر سعودیہ کے ماہرینِ فلکیات کو اس وقت غلطی ہوئی جب اچانک کوکب زحل چاند کی جگہ رونما ہوا جسے ہلال سمجھ کر فورا منگل کو عید کرنے کا اعلان کر دیا گیا اور پھر چند گھنٹوں بعد اس غلطی کا ادراک ہوا مگر اب چڑیا چگ گئی کھیت۔کچھ نہیں ہوسکتا تھا لہذا حکومتِ سعودیہ نے ایک ارب ریال کفارہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ دنیا بھر کے اسلامی حلقوں میں ایک نا ختم ہونے والی یہ بحث چھڑ گئی:

اسلامی ممالک کی رویت ہلال کمیٹیاں کس بنیاد پہ عید کا اعلان کرتی ہیں؟

ان خیبر پختون جیسے گواہان جو ہمیشہ اس جیسی چشم دید گواہی دینے کو تیار رہتے ہیں ان کا اسلامی قوانین کے تحت کیا حکم ہے؟

کیا حکومتِ سعودیہ کا کفارہ ادا کرنے کا فیصلہ درست تھا یا پھر ایک روزے کی قضا واجب ہے؟ خیبر پختون کے غریب عوام کا کفارہ کون ادا کرے گا؟

نوٹ: الجزیرہ ٹی وی کا وہ کلپ بھی پیش خدمت ہے جس میں یہ سب کہا گیا ہے اور اسے دیکھ کر مزید صورت حال آپ پہ عیاں ہو جائے گی ڈاؤن لوڈ فرمالیجیے اوراس میل کو اپنے دوستوں کو فوروڈ کیجیے

از:مہربان باروی، دمشق شام (ای میل کے ذریعے)

☆☆☆

سنی دعوت اسلامی مسلک اعلیٰ حضرت کا کام کررہی ہے

مدیر محترم............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ سنی دعوت اسلامی تشریف لاتا ہے۔ ماشاء اللہ بہت خوب ہے اللہ عزوجل آپ سب کی کوششیں قبول فرمائے۔ ہمارے یہاں کے بہت سارے لوگ اس کا مطالعہ کرتے ہیں اورمحظوظ ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ اس قسم کے بھی ہیں جو سنی دعوت اسلامی کو غیروں کی تنظیم بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سنی دعوت اسلامی اور دعوت اسلامی مسلکِ اعلیٰ حضرت کے خلاف کام کررہی ہے۔ **(بقیہ صفحہ ۱۸ پر)**

منظومات

از:ادارہ

شہیدِ عشقِ نبی ہوں

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ طیبہ میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا فضائے جنت میں دل نہ بہلا
تسلیاں دے رہی ہیں حوریں خوشامدوں سے منا منا کر

بہارِ جنت کو کھینچتا تھا ہمیں مدینے سے آج رضواں
ہزار مشکل سے اس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

رکھی ہوئی کام آ ہی جاتی ہے جنسِ عصیاں عجیب شے ہے
کوئی اسے پوچھتا پھرے ہے زرِ شفاعت دکھا دکھا کر

ترے ثنا گو عروسِ رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر

کرے کوئی کیا کہ تاڑ لیتی ہے لاکھ پردوں میں بھی شفاعت
رکھے تھے ہم نے گناہ اپنے، ترے غضب سے چھپا چھپا کر

یہ پردہ داری تو پردہ در ہے مگر شفاعت کا آسرا ہے
دب کے محشر میں بیٹھ جاتا ہوں دامنِ تر منہ میں چھپا کر

شہیدِ عشقِ نبی ہوں میری لحد میں شمعِ قمر جلے گی
اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

جسے محبت کا درد کہتے ہیں مایۂ زندگی ہے مجھ کو
یہ درد وہ ہے کہ میں نے رکھا ہے دل میں اس کو چھپا چھپا کر

خیال راہِ عدم سے اقبؔال تیرے در پر ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعمت کا عطا کر

نتیجۂ فکر: ڈاکٹر محمد اقبال

نعتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

جن کو نہ ہو کچھ دین کا ادراک
ان بندوں کو کیا عظمتِ سرکار کا ادراک

پائیں نہ فتــــرضــــیٰ کے مفاہیم کو جب تک
کیسے ہو مقام شہِ ابرار کا ادراک

جب رب کے بلانے پہ چلے رات کو سرور
کیا ہوتا فرشتوں کو بھی رفتار کا ادراک

ممکن ہی کہاں ہے کہ کسی شخص کو ہوجائے
جو پردۂ اسرا میں تھے، ان اسرار کا ادراک

تم جادۂ الفت پہ چلو طیبہ کی جانب
ہوجائے گا اس شہر کے انوار کا ادراک

ہوسکتا ہے قرآن کو سمجھنے ہی سے ہم کو
محبوب سے جو رب کو ہے، اس پیار کا ادراک

وہ لرزہ براندام چلے شہرِ نبی کو
جس کو ہو ذرا عظمتِ دربار کا ادراک

آقا کے غلام اتنے تو کودن نہیں ہوتے
کیوں ہم کو نہیں سازشِ کفار کا ادراک

جیبوں کو نہ بھرنے کا ذریعہ اسے سمجھیں
ہوجائے اگر نعت کے معیار کا ادراک

ہوسکتا ہے عشاق پیمبر ہی کو فی الوقت
محمؔود بہی بخت کے افکار کا ادراک

نتیجۂ فکر: راجا رشید محمود

ارض طیبہ سے گلِ پاک تو لا دینا صبا

درِ آقا کی مجھے خاک تو لا دینا صبا
رحمت و نور کی پوشاک تو لا دینا صبا
سبز گنبد کا میری آنکھوں میں بھر جائے جمال
جلوۂ نازشِ افلاک تو لا دینا صبا
دہر تا حشر مہکتی رہے ہستی میری
بوئے زلف شہ لولاک تو لا دینا صبا
دُرِ دندان نبوت کا تصدق مجھ کو
باغ طیبہ سے ہاں مسواک تو لا دینا صبا
مدحت سرکار دوعالم کا سلیقہ ہے کسے
بزم حسّان سے اِدراک تو لا دینا صبا
لحد تیرہ میں عزیزیؔ کے چراغاں کے لیے
ارض طیبہ سے گلِ پاک تو لا دینا صبا

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بلرامپوری

استغاثہ در جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

میرے دل کی سیاہی مٹاؤ نبی
بعدۂ نوری چہرہ بساؤ نبی
مجھ کو طیبہ میں اپنے بلاؤ نبی
اپنی نورانی جالی دکھاؤ نبی
دل کو میرے مدینہ بناؤ نبی
میرے آنے کی صورت بتاؤ نبی
ہے مصیبت میں بندہ تمہارا پھنسا
دو سہارا اسے اور چھڑاؤ نبی
حشر کی جب تمازت سے بھڑکیں بدن
مجھ کو دامن میں اپنے چھپاؤ نبی
میں ہوں مجرم خطاکار تم ہو شفیع
مجھ کو بخشش کا مژدہ سناؤ نبی
خوف کھائے نہ ذاکرؔ کہیں قبر میں
موت کے وقت مرقد میں آؤ نبی

از: ذاکر بلرام پوری، جمد اشاہی

نبی کے نام کا نعرہ لگا کر آج گزریں گے

محبت ان کی دل میں ہم بسا کر آج گزریں گے
فرشتوں کو بھی ہم حیرت زدہ کر آج گزریں گے
کھلیں گی آج کلیاں بلبلیں بھی چہچہائیں گی
شہِ ہر دو سرا جب مسکرا کر آج گزریں گے
ذرا کچھ دیر ٹھہرو آج تو وہ دن ہے مے خوارو!
وہ اپنے رخ سے پردے کو اٹھا کر آج گزریں گے
پئیں گے بادۂ دیدار کھل کر آج سب مے کش
وہ سب رندوں کو مستانہ بنا کر آج گزریں گے
نہ روکے گا کوئی ہم کو رہِ جنت سے ہم سر پر
نبی کے نام کی تختی اٹھا کر آج گزریں گے
سبھی فریاد لے کر اپنی پہنچیں گے انہی کے پاس
شفاعت کا وہ جب سہرا سجا کر آج گزریں گے
ملے گا خوشۂ رحمت ہمیں باغِ مدینہ سے
دلوں کو اپنے جب دامن بنا کر آج گزریں گے
کرم کی بھیک ہم کو سرورِ کونین دے دیں گے
درِ اقدس پہ ہاتھوں کو اٹھا کر آج گزریں گے
نہ گھبراؤ گنہ گارو! وہ جب جنت کو جائیں گے
گنہ گاروں کو دامن میں چھپا کر آج گزریں گے
جو روکیں گے فرشتے ہم کو جنت کی گزرگہ پر
انہیں داغِ جگر اپنا دکھا کر آج گزریں گے
گزرگاہِ ارم پر جب صدائے رَبِّ سَلِّمْ ہے
تو پھر کیسے بھلا ہم لڑکھڑا کر آج گزریں گے؟
وہ تر کر دیں گے ہر ویران دل کو آج تو سرورؔ
وہ فیض و جود کا دریا بہا کر آج گزریں گے

نتیجۂ فکر: مولانا عبداللہ سرورؔ اعظمی نجمی

انعامی مقابلہ نمبر(۱۰)

پیشکش: محمد عبداللہ اعظمی نجمی

سوالات:

(۱) انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے جہاد کا فتویٰ کس نے دیا تھا؟ (۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر کتنا تھا؟ (۳) ایمان کس سے مشتق ہے اور اس کے معنی کیا ہیں؟ (۴) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کب ہوئی؟ (۵) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خطبۂ نکاح کس نے پڑھا؟ (۶) دعوت وتبلیغ کا آغاز سب سے پہلے کہاں سے کیا جاتا ہے؟ (۷) امام احمد رضا کنزالایمان کے مترجم ہیں یا مصنف؟

انعامی مقابلہ نمبر (۸) کے صحیح جوابات:

(۱) حضرت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئی۔ (۲) حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے۔ (۳) ۱۰ر بعثت نبوی میں۔ (۴) آزردہ (۵) والدین کا چہرہ، کلام مجید، عالم کا چہرہ، کعبہ، پیرومرشد کا چہرہ۔ (۶) تزکیۂ قلب، تعلیمات الٰہیہ، تعلیماتِ مصطفیٰ۔ (۷) سیدہ نفیسہ امام حسین کی پڑپوتی ہیں۔

انعامات:

پہلا انعام : قادری صبر النساء، امرت نگر ممبرا، ضلع تھانہ مہاراشٹر۔ (سات کتابوں کا سیٹ)

دوسرا انعام : قریشی حنا نوری، کوسہ ممبرا، ضلع تھانہ، مہاراشٹر۔ (پانچ کتابوں کا سیٹ)

تیسرا انعام : میمن شباہت فاطمہ، اپنا اپارٹمنٹ، امرت نگر، ممبرا، تھانہ۔ (تین کتابوں کا سیٹ)

۷/ صحیح جوابات دینے والوں کے نام: (۱) میمن جویریہ فاطمہ، امرت نگر، ممبرا۔ (۲) خان نور جہاں، امرت نگر ممبرا۔ (۳) قادری صبر النساء، امرت نگر ممبرا۔ (۴) قریشی حنا نوری، کوسہ ممبرا۔ (۵) میمن شباہت فاطمہ، امرت نگر ممبرا۔ (۶) سیدہ نکہت برکاتی، امرت نگر ممبرا (۷) فرحین سلطانہ، گلبرگہ، کرناٹک۔ (۸) طاہر علی، تنور نگر، ممبرا۔

۶/ صحیح جوابات دینے والوں کے نام: (۱) شبانہ اعظمی بنت محمد رسول، رائچور کرناٹک۔ (۲) تبسم بانو، رائچور کرناٹک (۳) محمد حسنین، مالیگاؤں۔

۵/ صحیح جوابات دینے والوں کے نام: (۱) عائشہ آفرین، رائچور کرناٹک۔

۳/ صحیح جوابات دینے والوں کے نام: (۱) محمد محسن خان، ضلع جلگاؤں۔

کوپن انعامی مقابلہ نمبر(۱۰)

نام:.................................. عمر:....................

مشغلہ:.................. پتہ:..................................

.... پن کوڈ:....................

ہدایات

☆ شرائط کا اطلاق ہوگا۔

☆ جوابات ۲۰ر اکتوبر سے پہلے پہلے ادارے کو موصول ہو جانے چاہئیں۔